قبروں پر مساجد
اور
اسلام
محدث العصر علامہ
ناصر الدین البانی
محفوظ الرحمن فیضی
مکتبہ اسلامیہ

قبروں پر مساجد اور اسلام

مع مختصر حالات مصنف

تالیف

محدث العصر علامہ

ناصر الدین ألباني رحمہ اللہ

ترجمہ

مولانا محفوظ الرحمن فیضی

مکتبہ اسلامیہ

کتاب .... قبروں پر مساجد اور اسلام

تالیف .... ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

مترجم .... محفوظ الرحمن فیضی

اشاعت .... جنوری 2005ء

ناشر .... محمد سرور عاصم

قیمت ....

مکتبہ اسلامیہ

لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973

فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوعبدالرحمٰن محمد ناصرالدین نوح نجاتی الالبانی

(۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء......۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)

پروفیسر ڈاکٹر خالد ظفر اللہ

۱۹۹۰ء کی بات ہے، حج کے مبارک ایام اور منیٰ کا میدان تھا۔ مسجد خیف سے باہر اپنے ایک پرانے عرب دوست سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ حال احوال کے بعد انہوں نے پوچھا آپ کو خبر ہے کہ اس دفعہ علامہ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ بھی حج پر تشریف لائے ہیں؟ اس حیران کن اور خوش کن سوال پر میری حیرانی اور انتہائی دلی مسرت والی ملی جلی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے دوست نے کہا کہ منیٰ کی اس طرف ان کا خیمہ ہے اور آپ وہاں پر بعد از نماز فجر درس بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ اگلے دن بعد از نماز فجر صبح ہی صبح تلاش کرتا کرتا وہاں جا پہنچا، کیا دیکھتا ہوں کہ ناصر الدین والملۃ، آیت من آیات اللہ، بقیۃ السلف کی صحیح تصویر، عمل بالسنۃ کی زندہ تعبیر، محدث دوراں، محقق زماں، عصر رواں کے فقہ السنہ کے امام علامہ ناصر الدین البانی کی خوب صورت نورانی چہرے اور سرخ وسفید رنگت والی 75 سالہ انتہائی وجیہہ شخصیت تشریف فرما ہے۔ ارد گرد طالبان و داعیان کتاب وسنت کا جھرمٹ ہے۔ مناسک حج و دیگر مسائل پر مختلف سوالات کئے جارہے ہیں اور محدث العصر انتہائی اطمینان و سکون، تحمل و بردباری اور ہمدردی و خیر خواہی کے رنگ میں جواب دے رہے ہیں۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے مسائل حل فرما رہے ہیں۔ متن حدیث کے ساتھ ساتھ نہ صرف سند حدیث بیان کر رہے ہیں بلکہ اسماء الرجال اور علم الجرح والتعدیل کے دریا بہا رہے ہیں۔ احادیث کی تصحیح وتضعیف کا محدثانہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ فقہ الحدیث کے حوالے سے نادر علمی نکات آشکارا اور انتہائی پیچیدہ فقہی مسائل حل ہو رہے ہیں۔

مناسک حج کے بعد میری زندگی کے یہ انتہائی قیمتی لحات تھے، جن میں اس ناچیز کو بخاریٔ دوراں، ذہبی زماں، وقت کے ابن حجر اور زمانے کے ابن حزم کو دیکھنے کی سعادت

میسر ہوئی۔ [1] زہے نصیب کہ آپ کی زیارت کی شاید عمر بھر حسرت ہی رہتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حج کی برکات میں سے ایک نقد عطا فرمائی اور وہ تھی علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ سے شرف زیارت ولقاء۔ آج آپ کی ذات والا صفات کے بارے میں چند سطور سپرد قلم کرتے وقت آپ کی زیارت پر پائی جانے والی دلی خوشی خود بخود نوک قلم پر آن ٹھہری ہے۔

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

آپ کا آبائی وطن البانیہ تھا۔ البانیہ کے دارالحکومت اشقودرہ میں آپ الحاج نوح نجاتی کے ہاں ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ ایک علمی ودینی گھرانہ تھا۔ آپ کے والد الحاج نوح نجاتی نے علوم شرعیہ کی تحصیل آستانہ (استانبول) سے کی تھی۔ تحصیل علم کے بعد واپسی پر ان کی ذات مرجع علم بن گئی تھی۔

البانیہ میں احمد زوغو کی حکمرانی کے ایام میں مسلمان مرد وزن کے لیے دائرہ حیات تنگ ہوتا نظر آیا، کیونکہ وہ اتاترک کی تقلید میں مغربی اقدار کو لازمی ٹھہرا رہا تھا۔ عورتوں کے لیے ترک حجاب کے بعد مردوں کے لیے پینٹ کوٹ ہی سیکولرازم کی معراج ہے۔ آپ کے والد نے جب حالات میں بے دینی کے رجحان کو غالب پایا تو بچوں کو اس لادینیت کے سیلاب سے محفوظ رکھنے کی خاطر دمشق، شام کی طرف ہجرت کی۔

یہاں پر مہاجر ناصر الدین البانی نے دمشق کے مدرسۃ الاسعاف الخیریۃ الابتدائیۃ میں پڑھائی کا آغاز کیا۔ یہ مدرسہ انقلاب شام میں نذر آتش ہو گیا اور آپ نے ساروجہ بازار کے ایک دوسرے مدرسے سے ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ آپ کے والد درس نظامی کی مروجہ تعلیم سے مطمئن نہ تھے۔ اس لیے گھر پر خود اپنے لخت جگر کی پڑھائی کا بندوبست

[1] تفصیلات کے لیے: محمد بن ابراہیم الشیبانی، حیاۃ الألبانی وآثارہ وثناء العلماء علیہ (۱۔۲)، الدار السلفیۃ الکویت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء؛ علامہ محمد ناصر الدین الالبانی صفۃ صلاۃ النبی، (مترجم: عبدالباری فتح اللہ المدنی) دریا آباد۔ یوپی، طبع دوم ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، ص ۸۔۸۴ب (مقدمہ مترجم)؛ مجلہ ماہنامہ ''الدعوۃ'' لاہور، جلد ۱۰ شمارہ ۱۲ (دسمبر ۱۹۹۹ء) ص ۴۶ تا ۴۸ (محدث عصر علامہ ناصر الدین الالبانی از محمد افضل)؛ ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' فیصل آباد جلد ۳۲ شمارہ ۱۰ (اکتوبر ۱۹۹۹ء) ص ۴۸ (عظیم محدث علامہ ناصر الدین البانی کا انتقال از محمد رمضان یوسف سلفی)؛ ماہنامہ ''محدث'' لاہور، جلد ۳۱، عدد ۱۸ (اگست ۱۹۹۹ء) ص ۷۰، ۷۱ (شیخ محمد ناصر الدین البانی کو شاہ فیصل ایوارڈ ...... از وصی اللہ مدنی)

کیا۔قرآن مجید کی تعلیم وتجوید،علم الصرف اور فقہ حنفی کی بعض کتب آپ نے خود پڑھائیں۔
علامہ البانیؒ نے اپنے والد کے علاوہ ان کے دوست الشیخ سعید البرھانی سے ''مراقی الفلاح'' کے علاوہ علوم البلاغۃ کی جدید کتب پڑھیں۔

آپ نے حلب کے علامۃ الدھر الشیخ راغب الطباخ سے اجازہ فی الحدیث حاصل کیا۔آپ کی عمر ابھی بیس برس کے قریب تھی کہ سید رشید رضا کے مجلّہ ''المنار'' میں امام غزالی کی احیاء العلوم پر ان کا ایک تحقیقی،تنقیدی وتوصیفی مضمون پڑھا جس میں انہوں نے یہ ذکر کیا تھا کہ احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج حافظ عراقی (۸۰۶ھ) نے بنام ''المغنی عن حمل الاِسفار فی الأسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار'' کی ہے اور احیاء العلوم کی احادیث کی تصحیح وتضعیف کی ہے۔

علامہ البانیؒ فرماتے تھے کہ علامہ رشید رضا کی اس تحریر سے میرے دل میں احیاء کی تخریج کا مطالعہ کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور یہی داعیہ میرے علوم حدیث کی طرف مکمل میلان کا بنیادی سبب ٹھہرا۔آپ نے بمشکل تمام ''المغنی عن حمل الاِسفار...... حاصل کی اور اس کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اسے نقل کرنا شروع کر دیا۔احادیث کے جو لفظ سمجھ نہیں آتے تھے ان کا مطلب قاموس اور ابن اثیر کی غریب الحدیث کی مدد سے حاشیہ پر لکھتے جاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ احادیث کو ان کے بنیادی ماخذوں سے مکمل طور پر نقل کرتے جاتے۔ یوں یہ تعلیق متن کتاب سے بڑھ گئی اور علامہ البانی کا حدیث نبوی کا پہلا کام دو ہزار صفحات پر مشتمل چار اجزا میں مکمل ہوا۔''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کے مصداق علامہ البانی کا نوعمری میں کردہ یہ اولین کام بھی ان کی جانفشانی، ذہانت وفطانت، عمیق رسی، بالغ نظری، حسن ترتیب وتنسیخ کے ساتھ عمدہ خط کا شاہکار ہے۔اس کام کی مزید تفصیل آپ یوں بیان کرتے ہیں کہ ان دنوں میں اپنے گھڑی سازی کے کاروبار کو صرف تین گھنٹے دیتا تھا۔جن سے مجھے اپنی آل واولاد کے لیے بقدر ضرورت روزی مہیا ہو جاتی تھی اور ان میں بھی منگل اور جمعہ کو چھٹی ہوتی تھی۔ مذکورہ گھڑی سازی کے وقت کے علاوہ آپ کا سارا وقت طلب علم،مطالعہ کتب حدیث اور تالیف میں بسر ہوتا تھا۔ان دنوں آپ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں چھ

سے آٹھ، حتیٰ کہ بارہ گھنٹے تک گزارنے کی پابندی اس کے ملازمین کی مانند کرتے تھے۔ اسی لگن اور اپنے مشن پر دوام کا نتیجہ تھا کہ مکتبہ ظاہریہ کے ذمہ داروں نے آپ کو ایک کمرہ خاص کر دیا تھا۔ جہاں کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر آپ اپنا مطالعہ اور تحقیق وتعلیق کا شغل جاری رکھتے تھے۔ صرف نماز کا وقفہ ہوتا تھا یا پھر ہلکے پھلکے کھانے کا۔ وقت کے آپ اس حد تک قدردان تھے کہ بعض سوال کرنے والوں کے جواب کتاب سے نظر اٹھائے بغیر ہی دیتے تھے۔ اسی جہد مسلسل کا ثمر تھا کہ دنیا میں ان کا کوئی ہم عصر علوم الحدیث میں ان کا ہم سر نہ ہو سکا۔ وسعت مطالعہ اور استحضار معلومات میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ معلوم و دستیاب مخطوطات حدیث اور مطبوعات میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جو آپ کے زیر مطالعہ نہ آئی ہو۔ علم میں رسوخ اور کمال کے لیے یہ بنیادی وصف ہے جس کا وافر حصہ قدرت کاملہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ آپ کی تحقیقات وتالیفات کی فہرست آخر پر پیش کی جارہی ہے۔

کتابی دنیا میں اس حد تک منہمک رہنے کے باوجود حدیث رسول کے مطالعہ نے آپ کو کتاب وسنت کی دعوت کے فریضہ پر بھی ابھارا اور آپ باقاعدگی سے شام کے مختلف علاقوں کے دورے کرتے۔ لوگوں کو توحید خالص اور سنت نبوی پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے۔ جس سے سعید روحیں باعث نجات سامان ہدایت سے دامن بھرتی چلی جاتیں۔ اور مبتدعین و متعصبین کے بغض وعناد میں اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ انہوں نے آپ کو ''وھابی ضال'' (گمراہ وہابی) کے پراپیگنڈے سے بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اس اثنا میں آپ کو دمشق کے معروف علما میں سے علامہ بہجۃ البیطار، شیخ عبدالفتاح الإمام، شیخ حامد التقی اور شیخ توفیق البرزہ جیسی شخصیتوں کی حمایت حاصل ہوگئی۔ اس کے باوجود حاسدین کے حسد اور جھوٹی رپورٹوں نے دو دفعہ سنت یوسفی کی ادائیگی کی خاطر جیل پہنچایا۔ ۱۹۶۷ء میں آپ ایک ماہ کے لیے اور بعد ازاں چھ ماہ کے لیے محبوس کیے گئے۔ قید وبند کی صعوبتیں ہوں یا مخالفین کی دل آزار باتیں یہ ہتھکنڈے آپ کو دعوت وتبلیغ کے فریضے سے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور آپ کے دروس علمی وتبلیغی جاری رہے۔ ان ہفتہ وار دروس میں آپ حاضرین کو درج ذیل کتب پڑھاتے تھے:۔

① الروضة الندية لصديق حسن خانؒ.

② منهاج الاسلام فی الحکم لمحمد أسد.

③ أصول الفقه لعبد الوهاب خلاف.

④ الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث لا بن كثير. احمد شاكر

⑤ الأدب المفرد للبخاری رحمه الله.

⑥ اقتضاء الصراط المستقيم لا بن تيميه رحمه الله.

⑦ رياض الصالحين امام نووی رحمه الله.

⑧ الإمام فی أحاديث الاحکام ابن دقيق العيد رحمه الله.

علامہ البانیؒ کا یہ مطالعاتی، تحقیقی، تصنیفی اور دعوتی وتبلیغی سلسلہ رنگ لانے لگا۔ عالم اسلام میں علوم الحدیث میں آپ کی دسترس ورسوخ پر اہل علم کو آگاہی ہوئی۔ حتیٰ کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تاسیس ہی سے علامہ البانیؒ کو اس کا شیخ الحدیث مقرر کیا گیا۔ آپ نے یہاں پر ۱۳۸۱ تا ۱۳۸۳ھ بڑی جدوجہد اور اخلاص سے طلبہ کو حدیث نبوی کی تعلیم دی، لیکن معاصرت منافرت کو جنم دیتی ہے اور علامہ البانیؒ کی وہاں پر مقبولیت نے حاسدین کو افترا پردازی پر ابھارا اور ان کی چالوں کے نتیجے میں آپ کو سعودی عرب سے واپس دمشق آنا پڑا۔

علامہ البانیؒ جامعہ اسلامیہ سے چلے آئے لیکن آپ کا رنگ وہاں باقی رہا اور دنیا بھر سے آئے ہوئے آپ کے شاگردوں نے اس کی خوب آبیاری کی اور اہل علم میں عمل بالحدیث کی تحریک میں مزید نکھار آیا اور اب صرف حدیث نبوی نہیں بلکہ صحیح حدیث پر عمل کا رجحان غالب آتا جارہا ہے۔ اس رجحان کی تہہ میں علامہ البانیؒ کی فکر وکاوش کا وافر حصہ موجود ہے۔ (اللهم تقبل منه)

سعودی عرب سے واپسی کے ساتھ شیخ البانیؒ کی مشکلات ختم نہیں ہوئیں اہل اللہ کے ساتھ مصائب کا مسئلہ جاری رہتا ہے۔ آپ کے لیے دمشق میں ایک وقت ایسا مشکل آیا کہ آپ کو وہاں سے ہجرت کر کے عمان آنا پڑا، جبکہ آپ کی روح آپ کی جان یعنی آپ کا

خاص مکتبہ وہاں پر ہی تھا۔ جس کی جدائی آپ پر بے حد شاق تھی۔ اس بارے آپ کی طبیعت بے چین اور متفکر رہتی تھی۔ آخر آپ ۱۹ شوال ۱۴۰۱ھ کو رات کی تاریکی میں دمشق گئے جبکہ وہاں پر آپ کا گھر بار باقی نہ رہا تھا۔ آپ دمشق میں صرف دو رات ٹھہرے اور تیسری رات آپ وہاں سے بیروت اپنے ایک دلی دوست کے ہاں تشریف لے گئے۔ بعض عقیدت مندوں کے اصرار پر آپ بیروت سے متحدہ عرب امارات چلے آئے یہاں پر آپ کا قیام شائقین علوم حدیث نبوی کے لیے باعث غنیمت تھا۔ طالبین و محبین بکثرت آپ کے ہاں حاضر ہوتے اور اپنی علمی تشنگی دور کرتے۔ آپ کی مجالس علمیہ سے فیض یاب ہوتے۔

آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ چھوٹی بڑی تالیفات وتحقیقات کی تعداد تین سو کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ اور آپ کے محاضرات، دروس اور فتاویٰ کی کیسٹوں کی تعداد کا اندازہ 7000 لگایا گیا ہے۔ علمی طور پر انتہائی بلند مقام ہونے اور مقبولیت عامہ میں اہل علم میں بلند تر ہونے کے باوجود نہ آپ میں فخر علم تھا اور نہ ہی غرور تقویٰ۔ علم وفضل کے ساتھ جب زہد وتقویٰ پر عجب وکبر اور اس پر مستزاد فتنہ مقبولیت عامہ کی وبا اکثر اساطین علم وفضل کو مجسم غرور وتکبر بنا دیتی ہے، لیکن علامہ البانی ہر دو آفتوں سے بفضل اللہ محفوظ ومصؤون رہے جس کا بین ثبوت آپ کی کتب میں مطلع ہونے پر اپنی سابقہ آراء تحقیقات کے نتائج سے جوع کی شکل میں موجود ہے، بلکہ ان ارباب علم وفضل کے شکریے کے ساتھ آپ اپنی رائے سے رجوع کا اظہار فرماتے ہیں اور اکابرین علم وفضل کے لیے رجوع الی التصویب ہی سب سے مشکل گھڑی اور تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔ جس سے علامہ البانی رحمہ اللہ عمر بھر بخیر و عافیت گزرتے رہے اور عمر بھر اپنے بارے نہ بھولے کہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ آپ کو جس طرح اپنی غلط رائے سے رجوع میں کوئی شرمندگی دامن گیر نہ ہوتی تھی اسی طرح دوسروں کی غلط رائے کی تردید میں بھی کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوتی تھی اور بڑے بڑے جبہ و دستار کے حاملین کی غلط آراء کو آپ نے حرف غلط کی طرح مٹانے میں بھرپور کوشش کی۔ علمی طور پر ان کی تردید کی اور موقع میسر آنے پر ان سے علمی بحث مباحثہ اور مناظرے سے بھی کام لیا۔ آپ کی بعض لوگوں کے بارے میں تردید وتنقید کی فہرست خاصی طویل ہے۔ مثلاً

(۱) الرد علی البدیع فی مسئلة وضع الیدین علی الصدر بعد الرکوع.
(۲) الرد علی إباحة التحلی بالذهب المعلق للشیخ اسماعیل الأنصاری.
(۳) الرد علی عز الدین بلیق.
(۴) القول بفناء النار بین الألبانی و ابن تیمیة و ابن القیم.
(۵) نقد کتاب التاج الجامع للأصول.
(۶) الرد علی الشیخ الغماری.
(۷) الرد علی ابن حزم فی إباحة آلات الطرب.
(۸) الرد علی العلامة الآلوسی.
(۹) الرد علی الغزالی و جهیمان و شلتوت.
(۱۰) الرد علی المدعو السید عبدالرضا المرعشی.
(۱۱) الرد علی من ضعف حدیث العترة.
(۱۲) الرد علی مفتی ألبانیا قبل دخول الشیوعیة إلیها.
(۱۳) الرد علی الصابونی.
(۱۴) عودة إلی السنة.
(۱۵) الرد علی الشیخ الحامد فی أحادیث العمامه فی الاسلام و رد الشیخ الحامد علیه.
(۱۶) الرد علی الأستاذ الطنطاوی فی حدیث "تظلیل الغمامة".
(۱۷) الرد علی میرزا غلام القادیانی الهندی.

شیخ البانیؒ نے بھرپور علمی، فکری اور تحقیقی وتنقیدی زندگی کے ساتھ ساتھ گھریلو زندگی بھی خوشگوار انداز میں بسر کی۔ آپ کی پہلی بیوی سے عبدالرحمٰن ، عبداللطیف اور عبدالرزاق پیدا ہوئے اور آپ کی دوسری بیوی سے عبدالمصور، عبدالأعلی، محمد (یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے، آپ ﷺ کا فرمان ذی شان ہے کہ ''میرے نام پر نام رکھو'' مدینۃ الرسول ﷺ کی یاد اور حکم کی تعمیل میں یہ نام رکھا) عبدالمہیمن، اُنیسۃ، آسیۃ، سلامۃ، حسانۃ

اور سکینہ پیدا ہوئیں۔ تیسری بیوی سے ھبۃ اللہ پیدا ہوئے اور آپ کی چوتھی بیوی بھی تھی۔

علامہ ناصر الدین البانی ؒ اپنے بیوی بچوں اور کتابوں کے علاوہ اپنے عقیدت و ارادت مندوں کے درمیان شب و روز بسر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کی عمر رفتہ کا ۸۵واں سال تھا کہ عالمِ اسلام میں خدمات دین اور خاص کر حدیث نبوی کے حوالے سے دنیا بھر سے فیصل ایوارڈ کے لیے آپ کا چناؤ ہوا اور ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ء کا عالمی شاہ فیصل ایوارڈ برائے ''تحقیقات اسلامی و خدمات حدیث'' ریاض، سعودی عرب میں آپ کے قائم مقام شیخ محمد بن ابراہیم شقرہ کو عطا کیا گیا۔

لوگوں کے دلوں سے لے کر ایوان حکومت تک اپنی عظمت کا سکہ منوانے والے محدث دوراں بالآخر ۲۲ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ/۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز ہفتہ سوا پانچ بجے نماز مغرب سے چند منٹ قبل اردن کے دارالحکومت عمان میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور آپ نے مرتے دم بھی سنت نبوی کو زندہ کیا اور وصیت فرمائی کہ میری تدفین میں تاخیر بالکل نہ کی جائے۔ میرے جنازے کی خاطر کسی قسم کا اعلان اور انتظار نہ کیا جائے۔ اس وصیت کے مطابق آپ کے بچوں میں سے بعض غیر ممالک میں ہونے کی بنا پر جنازے میں شرکت سے محروم رہے، لیکن شیخ کی وصیت پوری کی گئی، فوراً عشاء کے بعد آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔

انتقال کے بعد تجہیز و تکفین اور تدفین میں صرف تین گھنٹے کا وقفہ تھا۔ اس کے باوجود کوئی پانچ چھ ہزار افراد نے اپنے آنسوؤں اور سسکیوں کے ساتھ محدث العصر اور مجدد الدھر کو دارالفنا سے دارالبقا کی طرف روانہ کیا۔ **اللّٰهم اغفر للشيخ ناصر الدين الالباني وارفع درجته في المهديين واخلفه في عقبه في الغابرين واغفر لنا وله يا رب العالمين وافسح له في قبره و نور له فيه** (آمین یارب العالمین)

علامہ البانی ؒ کو اگرچہ اپنے ہم عصر بعض تنگ نظر اور متعصب لوگوں کے حسد و افترا کا نشانہ بننا پڑا، لیکن صالح اہل علم کے ہاں آپ کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔ مثلاً

سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں '' اس نیلے آسمان تلے عصر حاضر میں علامہ محمد ناصر الدین البانی جیسا کوئی دوسرا عالم حدیث نہیں ہے۔''

محدث کبیر علامہ ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے ہاں ''شیخ البانی محقق'' ہیں۔

سعودی عرب کے نامور عالم دین شیخ صالح عثیمینؒ فرماتے ہیں: ''میں نے آپ کی کتابوں کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ علم حدیث میں روایت اور درایت دونوں لحاظ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔''

کویت کے نامور شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق کے الفاظ ہیں۔ ''محمد ناصرالدین البانی اس زمانے میں امام المحدثین ہیں۔''

ڈاکٹر صہیب حسن آف انگلینڈ کہتے ہیں ''الشیخ ناصر الدین البانی ؒ نے اس زمانے میں محدثین کی سیرت کو قول وعمل دونوں لحاظ سے زندہ کر دیا۔''

فضیلۃ الشیخ محدث ومحقق ابواسحٰق حوینی اثری کہتے ہیں کہ ''ہم سب کے استاد حافظ وقت اور نادرۂ روزگار شیخ محمد ناصرالدین البانی کے بارے میں اگر میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم کھاؤں کہ میں نے ان جیسا انسان نہیں دیکھا اور نہ انہوں نے اپنے جیسا انسان دیکھا تو مجھے امید ہے کہ میں حانث نہ ہوں گا۔''

مخطوطات شیخ البانیؒ [1]

۱. صلاۃ الاستسقاء و کیفیتها و أثرها فی تزکیة النفوس و اصلا حها.

۲. الأمثال النبویة.

۳. المحو والإثبات فیما قرره الثقات الأثبات فی لیلة النصف من شعبان.

۴. فهرس المخطوطات الحدیثیة فی مکتبة الأوقاف فی حلب.

۵. صحیح الإسرآء والمعراج.

۶. الأحادیث الضعیفة والموضوعة التی ضعفها أو أشار إلیها لضعفها ابن تیمیة فی مجموع الفتاویٰ.

---

[1] مخطوطات شیخ البانی کی یہ فہرست محمد بن ابراہیم الشیبانی ''حیاۃ الشیخ للالبانی وآثارہ وثناء العلماء علیہ۔ (الدار السلفیہ الکویت الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء) جلد۲ص ۵۲۶تا۶۱۹ سے نقل کی جارہی ہے۔

٧. مقدمة الأحاديث الضعيفة والموضوعة فى أمهات الكتب الفقهية
٨. صفة صلاة النبى ﷺ لصلاة الكسوف.
٩. الرد على رسالة التعقب الحثيث للشيخ عبدالله الحبشي.
١٠. الروض النضير فى ترتيب و تخريج معجم الطبرانى الصغير.
١١. تحقيق كتاب الاحاديث المختارة للحافظ ضياء الدين المقدسى.
١٢. تلخيص كتاب تحفة المودود فى احكام المولود لا بن القيم.
١٣. ماصح من سيرة رسول الله ﷺ و ذكرايامه و غزواته و سراياه والوفود اليه.
١٤. وصف الرحلة الأولى إلى الحجاز والرياض مرشدا للجيش السعودى أثنا عودته للملكة العربية السعودية بعد حرب فلسطين عام :١٩٤٨.
١٥. التعليقات الرضية على الروضة الندية شرح الدرر البهية لصديق حسن خان.
١٦. التعليق على كتاب مسائل جعفر بن عثمان بن شيبة۔ شيوخه۔
١٧. الثمر المستطاب فى فقه السنة والكتاب.
١٨. فهرس أسماء الصحابة الذين أسندوا الأحاديث معجم الطبرانى الأوسط.
١٩. إزالة الشكوك عن حديث البروك.
٢٠. مناظرة كتابية مسجلة مع طائفة من أتباع الطائفة القادنية و على رأسهم رائيسهم بدمشق يومئذ۔ نور احمد الباكستانى۔
٢١. الحوض المورود فى زوائد منتقى ابن الجارود.
٢٢. التعليقات الجياد على زاد المعاد للإمام ابن القيم.
٢٣. أحكام الركاز.
٢٤. ضعيف الترغيب و الترهيب للمنذرى.

۲۵. صفة الصلاة الكبير . و هو أصل صفة الصلاة المطبوع.

۲۶. تاريخ دمشق لأبی زرعة رواية أبی الميمون عبدالرحمٰن بن عبدالله بن عمر بن راشد اليعٰی.

۲۷. أحاديث البيوع و آثارہ (ساص بموسوعة الفقه الاسلامی الخاص بكلية الشريعة بدمشق)

۲۸. معجم الحديث النبوی (وهو مجموعة من المختارات الحديثية ، جمعها الشيخ من مخطوطات المكتبة الظاهرية ۔ وغيرها ۔ يقع المعجم فی نحو أربعين مجلدًا)

۲۹. وضع الآصار فی ترتيب آحاديث "مشكل الآثار" للإمام الطحاوی.

۳۰. التعليق علی كتاب سبل السلام شرح بلوغ المرام ۔ للعلامة الصنعانی۔ الجزء الاول منه.

۳۱. فهرس الكوكب الدراری. للشيخ علی بن عروة الحنبلی.

۳۲. الرد علی رسالة التويجری فی بحوث من صفة الصلاة.

۳۳. السفر الموجب للقصر.

۳۴. بغية الحازم فی فهارس مستدرک أبی عبدالله الحاكم.

۳۵. فهرس أحاديث كتاب "الشريعة" للآجری.

۳۶. الجمع بين "ميزان الاعتدال" للذهبی و "لسان الميزان" لا بن حجر.

۳۷. فهرس أحاديث كتاب "التاريخ الكبير" للبخاری.

۳۸. تعليق و تحقيق كتاب "زهر الرياض فی رد ماشنعه القاضی عياض علی من أوجب الصلا ة علی البشير والنذير فی التشهد الأخير" للشيخ محمد بن محمد الخيضری الدمشقی.

۳۹. تحقيق كتاب "ديوان أسماء الضعفاء والمتروكين" للذهبی.

۴۰. تحقيق كتاب "اصول السنة واعتقاد الدين" للإمام ابن أبی حاتم.

۴۱. تحقیق کتاب "حول أسباب الاختلاف" للحمیدی.

۴۲. تسهیل الا نتفاع بکتاب ثقات ابن حبان.

۴۳. قاموس البدع

۴۴. الذبُّ الأحمد عن مسند الامام أحمد.

۴۵. تحقیق کتاب مساوئ الأخلاق للخرائطی.

۴۶. التعلیق، التعلیق علی مؤطا الامام محمد ۔لأبی الحسنات عبدالحیٔ الکنوی۔

۴۷. مختصر تعلیق الشیخ محمد کنعان ، تعلیق و مراجعة الشیخ الألبانی.

۴۸. مختصر صحیح مسلم (یہ شیخ البانی کی تحقیق کردہ مطبوع۔ امام منذری کی مختصر مسلم کے علاوہ ہے)

۴۹. الرد علی کتاب المراجعات لعبد الحسنین شرف الدین.

۵۰. المسیح الدجال و نزول عیسیٰ علیہ السلام وقتله إیاه علی سیاق روایة أبی أمامة بأحادیث سائر الصحابة.

۵۱. تعلیق علی "المغنی عن حمل الإسفار فی الأسفار فی تخریج ما فی الإحیاء من الاخبار" للعراقی.

۵۲. تحقیق کتاب الأحکام الکبری و تخریجه لعبد الحق الإشبیلی.

مطبوعات شیخ البانیؒ (تالیفات)

۱. صحیح الترغیب والترهیب للمنذری.

۲. اللحیة فی نظر الدین.

۳. صلاة العیدین فی المصلی هی السنة.

۴. فهرس مسند الإمام احمد بن حنبل "فی مقدمة المسند."

۵. نقد نصوص حدیثیة فی الثقافة العامة للشیخ محمد منتصر الکتانی.

۶. مناسک الحج والعمرة فی الکتاب والسنة و آثار السلف.

۷. الحديث حجة بنفسه فى العقائد والأحكام.

۸. كشف النقاب عما فى "كلمات أبى غدة" من الأباطيل والافترا ء ات.

۹. منزلة السنة فى الإسلام.

۱۰. "سلسلة الأحاديث الضعيفة" و أثر ها السئى فى الأمة.

۱۱. خطبة الحاجة. التى كان رسول الله ﷺ يعلمها أصحابه.

۱۲. فهرس مخطوطات دارالكتب "المنتخب من مخطوطات الحديث".

۱۳. التعقيب على كتاب الحجاب للعلامة المو دو دى.

۱۴. الرد على الرسالة أرشد السلفى (حبيب الرحمٰن الأعظمى)

۱۵. سلسلة الأحاديث الصحيحة و شيئ من فقهها.

۱۶. تسديد الإصابة إلى من زعم نصرة الخلفاء الراشدين و الصحابة.

۱۷. مختصر صحيح البخارى.

۱۸. صحيح سنن أبى داؤد.

۱۹. ضعيف سنن أبى داؤد.

۲۰. صحيح سنن الترمذى.

۲۱. ضعيف سنن الترمذى.

۲۲. صحيح سنن ابن ماجه.

۲۳. ضعيف سنن ابن ماجه.

۲۴. صحيح سنن نسائى.

۲۵. ضعيف سنن نسائى.

۲۶. صحيح الادب المفرد.

۲۷. ضعيف الادب المفرد.

۲۸. حجة النبى ﷺ كما رواها عنه جابر رضى الله عنه.

۲۹. تحريم آلات الطرب.

۳۰. تمام المنة فی التعليق علی فقه السنة للسيد سابق.
۳۱. الأجوبة النافعة عن أسئلة مسجد الجامعة.
۳۲. صلاة التراويح.
۳۳. دفاع عن الحديث النبوی والسيرة: فی الرد علی جهالات الدكتور البوطی فی كتابه "فقه السيرة."
۳۴. التوسل : أحكامه و انواعه.
۳۵. حجاب المرأة المسلمة فی الكتاب والسنة.
۳۶. وجوب الأخذ بحديث الاحاد فی العقيدة.
۳۷. صفة صلاة النبی ﷺ "من التكبير إلی التسليم كأنک تراها."
۳۸. تلخيص صفة صلاة النبی ﷺ.
۳۹. قيام رمضان و بحث عن الاعتكاف. وكيفی أدائه و مشروعية الجماعة فيه ومعه بحث قيم عن الاعتكاف.
۴۰. تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد. [1]
۴۱. احكام الجنائز و بدعها.
۴۲. تلخيص أحكام الجنائز لمحمد ناصر الدين الألبانی.
۴۳. آداب الزفاف فی السنة المطهرة.
۴۴. نصب المجانيق فی نسف قصة الغرانيق.

تحقیقات

۱. رياض الصالحين للإمام النووي.
۲. تحقيق الكلم الطيب "لشيخ الإسلام ابن تيمية."
۳. تحقيق و تخريج صحيح الكلم الطيب لشيخ الإسلام ابن تيميه.
۴. تحقيق كتاب اقتضاء العلم العمل للحافظ أبی بكر أحمد علی بن

[1] اس رسالے کا اردو ترجمہ کتاب کی شکل میں پیش خدمت ہے۔

ثابت الخطیب البغدادی. (۳۹۲_۴۶۳ھ)

۵. تحقیق کتاب العلم للحافظ أبی خیثمة زهیر بن حرب النسائی. (۱۶۰_۲۳۴ھ)

۶. تحقیق و تعلیق مختصر "صحیح مسلم" للمنذری.

۷. تحقیق و تخریج فضل الصلاة علی النبی ﷺ للإمام إسماعیل إسحاق بن القاضی.

۸. تحقیق لفتة الکبد فی تربیة الولد لا بن الجوزی.

۹. مساجلة علمیة بین الإمامین الجلیلین العز بن عبدالسلام و ابن الصلاح۔ تحقیق مع زهیر الشاویش.

۱۰. تصحیح حدیث افطار الصائم قبل سفره بعد الفجر۔

۱۱. أحادیث مشکاة المصابیح للتبریزی.

۱۲. تحقیق کتاب رفع الأستار لإبطال القائلین بفناء النار للصنعانی.

۱۳. التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الأباطیل.

تخریجات

۱. صحیح الجامع الصغیر و زیادته (الفتح الکبیر)للسیوطی.

۲. ضعیف الجامع الصغیر و زیادته (الفتح الکبیر) للسیوطی.

۳. الآیات البینات فی عدم سماع الأموات عند الحنیفة للعلامة نعمان ابن المفسر الشهیر محمود الآلوسی.

۴. غایة المرام فی تخریج کتاب أحادیث الحلال و الحرام.

۵. حقیقة الصیام. "تخریج" لشیخ الإسلام ابن تیمیة.

۶. شرح العقیدة الطحاویة . شرح و تعلیق لأبی جعفر الطحاوی.

۷. المرأة المسلمة. للشیخ حسن البنا رحمه الله تعالی"مراجعة و تعلیق و تخریج."

۸. تخريج أحاديث مشكلة الفقر و كيف عالجها الإسلام ليوسف القرضاوی.

۹. تخريج مادل عليه القرآن مما يعضد الهيئة الجديدة القويمة البرهان للشيخ محمود الآلوسی.

۱۰. تخريج كتاب الإيمان. لأبی عبيد القاسم بن سلام.

۱۱. تخريج كتاب الرد علی الجمهية لأبی عثمان الدارمی.

۱۲. تخريج كلمة الاخلاص و تحقيق معناها للحافظ ابن رجب الحنبلی (۷۳۶ھ)

۱۳. تخريج إصلاح المساجد من البدع والعوائد. للعلامة الشام محمد جمال القاسمي.

۱۴. إرواء الغليل فی تخريج احاديث منار السبيل لابن ضويان والدليل للعلامة مرعي الكرمي.

۱۵. كتاب السنة (ومعه ظلال الجنة فی تخريج السنة) للحافظ أبی عمرو بن أبی عاصم الضحاك بن مخلد الشيبانی. (۲۸۷ھ).

۱۶. تخريج كتاب المصطلحات الأربعة فی القرآن للعلامة المودودی.

۱۷. تخريج كتاب الإيمان لابن أبی شيبة للحافظ أبی بكر عبدالله بن محمد بن أبی شيبة: ابراهيم ابن عثمان العبيسی (۱۵۹ـ۲۳۵ھ)

۱۸. حجاب المرأة المسلمة و لباسها فی الصلاة لشيخ الاسلام ابن تيمية.

۱۹. تخريج فضائل الشام. للحافظ الربعی و معه مناقب الشام و اهله لشيخ السلام ابن تيميه.

۲۰. تخريج ألاحاديث كتاب حقوق المرأة فی الاسلام للشيخ محمد رشيد رضا.

۲۱۔ تخریج کتاب الایمان لا بن تیمیه.

۲۲۔ تخریج فقه السیرة للغزالی.

۲۳۔ تخریج أحادیث کتاب الاحتجاج بالقدر لا بن تیمیه.

۲۴۔ تخریج أحادیث کتاب الصراط المستقیم فیما قرره الثقات الأثبات فی لیلة النصف من شعبان بعض علماء الازهر.

۲۵۔ تخریج کتاب المسح علی الجوربین لجمال الدین القاسمی وله ذیل باسم "تمام النصح فی أحکام المسح"

اختصار ومراجعہ وتعلیق

۱۔ مراجعة و تعلیق و تخریج صحیح ابن خزیمة للدکتور مصطفی الأعظمی.

۲۔ مختصر کتاب "العلو للعلي العظیم" للحافظ الذهبی.

۳۔ مختصر الشمائل المحمدیة للإمام أبی عیسیٰ الترمذی.

۴۔ التعلیقات علی صفة الفتوی والمفتي والمستفتي. للإمام القاضی أبو عبداللّٰه نجم الدین احمد بن حمدان بن شبیب بن حمدان النمري الحراني الأصولي الفقیه (۶۰۳ـ۶۹۵ھ)

۵۔ التعلیق علی کتاب الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث للإمام ابن کثیر. للشیخ أحمد شاکر.

۶۔ مختصر شرح العقیدة الطحاویة.

آپ کے ارشد تلامذہ کا سلسلہ تو بہت طویل ہے اور مشرق ومغرب میں ہر سو پھیلا ہوا ہے۔ آپ سے شرف شاگردی پچھلی صدی کا ایک امتیاز تھا۔ اس لیے شائقین علوم الحدیث چار دانگ عالم سے حاضر ہوکر آپ سے اکتساب علم میں کوشاں رہتے تھے۔ چند ایک کے اسماء گرامی پیش خدمت ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ آسمان علم وفضل کا ایک روشن ستارہ ہے۔

① معروف محقق شیخ حمدی عبدالمجید السّلفی۔ عراق سے تعلق رکھنے والے آپ کے یہ

مایہ ناز شاگرد ستائیس سے زائد کتابوں کی تحقیق وتخریج کا فریضہ سرانجام دے چکے ہیں۔ جن میں معجم الطبرانی الکبیر جیسی ضخیم کتاب بھی ہے جو کہ بیس جلدوں میں مطبوع ہے۔

② مشہور زمانہ داعی اور ادیب اسلام شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق کویت میں دعوت وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کے حوالے سے بلند مقام ہیں۔ چوبیس سے زائد کتب تصنیف کر چکے ہیں۔

③ الدکتور عمر سلیمان شقر:
علوم شرعیہ میں اٹھارہ سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔

④ الاستاذ خیرالدین وائلی:
مشہور سیرت نگار اور مؤلف کتب کثیرہ ہیں۔

⑤ شیخ محمد عید عباسی:
مطبوع اور غیر مطبوع بہت سی یادگار تحریریں سپرد قلم کر چکے ہیں۔

⑥ الشیخ محمد ابراہیم شقرۃ:
عربی زبان کے نامور ادیب ہیں اور عمان، اردن کی جامع مسجد صلاح الدین ایوبی کے خطیب ہیں۔

⑦ الشیخ عبدالرحمٰن عبدالصمد۔
⑧ محدث دیار یمن شیخ مقبل بن ھادی الوادعی۔
⑨ الشیخ زہیر الشاویش صاحب ''المکتبۃ الاسلامی۔''
⑩ محقق بے مثل الدکتور ربیع بن ھادی المدخلی۔
⑪ نمونۂ سلف شیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی۔
⑫ الدکتور عمر سلیمان الاشقر۔ ⑬ الشیخ خلیل العراقی الحیانی۔
⑭ الشیخ المصطفیٰ الزربول۔ ⑮ الشیخ عبدالرحمٰن البانی۔
⑯ الشیخ علی خشان۔ ⑰ الشیخ محمد جمیل زینو۔
⑱ الشیخ علی حسن علی عبدالحمید الحلبی الأثری۔
⑲ الشیخ ابوعبیدۃ مشہور بن حسن آل سلمان۔
⑳ الشیخ سلیم بن عید الہلالی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَمُصَلِّیًا

زیرِ نظر کتاب شام کے ممتاز عالمِ دین مستند محقق، بلند پایہ محدث علامہ ناصر الدین البانی دامت برکاتہ کی تالیف لطیف ''تَحْذِیْرُ السَّاجِدِ عَنْ اِتِّخَاذِ الْقُبُوْرِ مَسَاجِد '' کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب اور صاحب کتاب کا تعارف پیش لفظ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں ترجمہ کے بارے میں دو لفظ عرض کرنا مقصود ہے۔

غالبًا یہ ۷۷ء کی بات ہے کہ مذکورہ کتاب تحذیر الساجد کے مطالعہ کا مجھے شرف حاصل ہوا، کتاب ختم کرنے کے ساتھ ہی دل میں اس کے ترجمہ کا داعیہ پیدا ہوا اور بغیر کم مائیگی کے باوصف اللہ کا نام لے کر ترجمہ شروع کیا جو جلد ہی پورا ہو گیا، لیکن میری بے ذوقی اور دوں ہمتی کے باعث اس وقت تبییض کا کام نہ ہو سکا اور مسودہ طاق نسیاں کے حوالہ ہو کر رہ گیا۔ ادھر دو تین کتابچے ترتیب دینے کی توفیق ہوئی جو شائع بھی ہوئے تو پھر ہمت بندھی اور سال گزشتہ کے اوائل میں مسودہ کو دوبارہ ہاتھ لگایا اور تبییض کی منزل طے ہوئی اور اب کتابت وطباعت کے مراحل سے گزر کر ''قبروں پر مساجد اور اسلام'' کے نام سے ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ۔

ترجمہ میں پوری کتاب اور اس کی اصل ترتیب برقرار رکھی گئی ہے۔ چند جگہ معمولی حذف واختصار سے کام لیا گیا ہے اور صرف دو تین جگہ قدرے ترمیم کی گئی ہے۔ مثلاً

فصل ہفتم کا پہلا حاشیہ ''قبروں پر مسجد بنانے کا مطلب'' فصل دوم (ص۴۹) کے ساتھ متن کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے، کیونکہ مترجم کے خیال میں یہاں اس کی زیادہ ضرورت تھی۔

اصل کتاب میں صحاح ستہ مطبوعہ عرب کا حوالہ ہے، مگر ترجمہ میں مطبوعہ ہند کا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ ہمارے قارئین کے لیے مراجعت آسان ہو۔

فہرست مضامین آخر کتاب میں تھی اسے شروع میں کر دیا گیا ہے، جیسا کہ اردو کتابوں میں عموماً ہوتا ہے، نیز اس لیے کہ کتاب پڑھنے والوں کو شروع کرنے سے پہلے اس کے مشمولات اور اس کی جامعیت کا ایک اجمالی اندازہ ہو جائے۔ کہیں کہیں تشریح کے لیے

معمولی اضافہ کرنا پڑا ہے، اضافہ شدہ عبارتیں عمودین کے اندر ہیں۔

مجھے اعتراف ہے کہ ترجمہ، اصل کتاب کے شایان شان نہیں ہوسکا، جگہ جگہ زبان و بیان کی خامیاں ملیں گی۔ کیونکہ میں ''تالیف و ترجمہ کے ذوق اور اس کی صلاحیت سے تقریباً تہی دامن ہوں اور یہ گویا میری پہلی کوشش ہے، پھر بھی مجھے مسرت ہے کہ مجھ جیسے کوتاہ علم کو علامہ البانی'' جیسی قد آور شخصیت، پختہ قلم مصنف، بالغ نظر محقق اور محدث کی اس انتہائی مفید کتاب کا ہندوستان میں پہلی بار ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

وَمَا تَوْفِيْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ

گرچہ از نیکان نیم خود را بہ نیکان بستہ ایم
در بہار آفرینش رشتۂ گلدستہ ایم

(ہم نیک لوگوں میں سے ہیں اور خود کو نیک لوگوں کے ساتھ وابستہ کئے ہیں۔ اس لیے کہ تخلیق اور پیدائش میں ہم سب کا ایک ہی اصل ہے)

میرے ناقص مطالعہ کی حد تک اردو میں اس موضوع پر اتنی مفصل اور مستند کتاب موجود نہیں، اللہ اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے اور اسے اصلاحِ امت کے لیے بہترین اور مؤثر ذریعہ بنائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مصنف، مترجم، کاتب و ناشر اور ناظرین کے لیے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین!

محفوظ الرحمٰن فیضی
جامعہ فیض عام مئو

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ
۲۷ فروری ۱۹۸۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُقَدِّمَة

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾

[٣/آل عمران:١٠٢]

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝﴾ [٤/النسآء:١]

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝﴾ [٣٣/الاحزاب:٧٠،٧١]

''بے شک تمام ستائش اللہ ہی کے لیے ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں، اس سے معافی کے خواستگار ہیں، اور نفوس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ ہدایت عطا کر دے اسے کوئی بہکا نہیں سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد ﷺ

اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو، لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو، اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

اما بعد! ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو یہ دیکھ کر انتہائی دکھ اور افسوس ہوتا ہے کہ (ہمارے) ملک شام اور دیگر ممالک میں بھی بکثرت مسجدوں کے اندر کوئی قبر یا متعدد قبریں پائی جاتی ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہو اور اسے موجب لعنت قرار نہ دیا ہو، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام میں قبور و مساجد کا اجتماع بالکل روا نہیں ہے، یہ توحید خالص اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی مخلصانہ عبادت جس کے لیے مسجدوں کی تعمیر عمل میں آتی ہے، کے قطعی منافی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاۙ﴾ [۷۲/الجن:۱۸]

''بے شک مسجدیں اللہ کے لیے ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔''

اس لیے اس موضوع پر روشنی ڈالنا اور اسے تفصیل کے ساتھ بیان کرنا انتہائی ضروری سمجھتا ہوں، توقع ہے کہ زیر نظر کتاب میں اللہ پاک نے مجھے اس فرض کے انجام دہی کی توفیق بخشی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کتاب میں ان احادیث متواترہ کو جمع کر دیا ہے جن میں قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع کیا گیا ہے، نیز ائمہ اربعہ کے مذاہب اور علماء امت کے مستند اقوال کو بھی بیان کر دیا ہے۔ جو ایک طرف بناء مساجد علی القبور کی نہی و حرمت پر دلالت کرتے ہیں تو دوسری طرف اس بات کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ سلف صالحین اتباع سنت، اس کی دعوت و تبلیغ اور اس کی خلاف ورزی سے پرہیز کرنے کرانے کا کتنا

زبردست جذبہ رکھتے تھے، لیکن سچ فرمایا اللہ عظیم نے:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ [۱۹/ مریم:۵۹]

''پھر ان کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی، پس قریب ہے کہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں۔''

یہ کتاب مندرجہ ذیل سات فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل: احادیث نبویہ، قبروں کو مسجدیں نہ بناؤ۔

دوسری فصل: قبروں کو مسجد بنانے کا معنیٰ۔

تیسری فصل: قبروں کو مسجد بنانا گناہ کبیرہ ہے۔

چوتھی فصل: شکوک وشبہات اور ان کے جوابات۔

پانچویں فصل: قبروں پر مسجد بنانا کیوں حرام ہے؟

چھٹی فصل: قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز مکروہ ہے۔

ساتویں فصل: حکم سابق سے مسجد نبوی مستثنیٰ ہے۔

ان مباحث کے ضمن میں دوسرے بہت سے مفید علمی مسائل بھی بیان ہوئے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس کتاب سے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور اسے، نیز میرے دیگر عمل صالح کو بھی حسن قبول بخشے اور اس کتاب کے طابع وناشر کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔ آمین!

محمد ناصر الدین البانی

دمشق ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

فصل اول

قبروں کو مسجد نہ بناؤ

اس فصل میں ان احادیث کا ذکر ہے جن میں قبروں کو مسجد بنانے سے منع کیا گیا ہے۔

پہلی حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْهُ ((لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) قَالَتْ فَلَوْلَا ذَاکَ اُبْرِزَ قَبْرُهٗ غَیْرَ اَنَّهٗ خُشِیَ اَنْ یُّتَّخَذَ مَسْجِدًا [1]

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں ارشاد فرمایا:

یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ قبر نبوی کو مسجد بنالیا جائے گا تو آنحضرت ﷺ کی قبر کھلی فضا میں بنائی جاتی۔'' یعنی اس پر کوئی پردہ نہ کیا جاتا اور آپ بھی گھر کے باہر عام قبرستان میں دفن کئے جاتے۔ [2]

دوسری حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

---

[1] صحیح بخاری (۱/ ۱۷۷، ۱۸۶۔۲/ ۶۳۹) صحیح مسلم (۱/ ۲۰۱) مسند ابی عوانہ (۱/ ۳۹۹) مسند احمد (۶/ ۸۰، ۱۲۱، ۲۵۵) مسند سراج (۳/ ۴۸/ ۲) بروایت عروہ عن عائشہ، و مسند احمد (۶/ ۱۴۶، ۲۵۲) شرح السنہ بغوی (۱/ ۴۱۵) بروایت سعید بن مسیّب عن عائشہ۔ اس کی سند بھی شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[2] گھر میں دفن کیا جانا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو گھر میں کیوں دفن کیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے صاف واضح ہے کہ اس کا سبب قبر نبوی کو سجدہ گاہ بنالیے جانے یا اس پر کسی کے مسجد تعمیر کر دینے کے خطرہ کا سد باب کرنا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ کے سوا کسی کو قبرستان کی بجائے گھر میں دفن کرنا اور اس کے جواز میں آنحضرت ﷺ کے حجرہ میں دفن کئے جانے کو بطور دلیل و حجت پیش کرنا کسی طرح جائز نہیں، اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ میت کو گھر میں دفن کرنا حکم شرعی کے خلاف ہے اور سنت یہ ہے کہ مردوں کو قبرستان (بقیہ اگلے صفحہ پر)

((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی

گزشتہ سے پیوستہ:..... ہی میں دفن کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو عام قبرستان جنت البقیع میں دفن فرماتے تھے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اپنے گھروں میں قبریں مت بناؤ'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا فعل ہرگز قابل اتباع نہیں ہے۔

ابن عروہ حنبلی نے الکواکب الدراری (ق ۸۸/ التفسیر ۵۴۸) میں ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کے قبرستانوں ہی میں مردوں کو دفن کرنا اور گھر میں دفن نہ کرنا امام احمد ابن حنبلؒ کو زیادہ پسند تھا، کیونکہ اس سے میت کے زندہ ورثاء کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور یہ اخروی زندگی کے زیادہ مناسب اور اس کو بہت زیادہ یاد دلانے والا بھی ہے، نیز یہ میت کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کرنے کی طرف راغب اور متوجہ کرتا ہے، صحابۂ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین سب کا یہی معمول تھا کہ مردوں کو آبادی سے باہر صحرا (قبرستان) میں دفن کیا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرہ میں کیوں دفن کیا گیا؟ (حضرت عائشہؓ کی وضاحت)

سوال ہوسکتا ہے کہ جب گھر میں دفن کرنا حکم شرعی کے خلاف ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرۂ عائشہ میں کیوں دفن کیا گیا؟ عائشہ صدیقہؓ نے اسی اشکال کا جواب دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے حجرہ میں دفن کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنایا جاسکے، قبر نبوی کو کھلی جگہ بنانے میں خطرہ تھا کہ اسے مسجد بنالیا جائے گا۔ ''یعنی میدان میں اس کی دار وگیر مشکل تھی۔''

دوسرا جواب یہ ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''انبیا جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دفن کئے جاتے ہیں'' علاوہ ازیں آپ کو غیر سے ممتاز کرنا اور زیادہ آمد ورفت کی جگہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو محفوظ رکھنا وغیرہ وہ اسباب ومصالح ہیں جن کے پیش نظر صحابۂ کرامؓ نے آپ کو خصوصیت کے ساتھ مذکورہ حکم شرعی (گھروں میں قبریں مت بناؤ) سے مستثنیٰ قرار دیا اور عام قبرستان میں دفن کرنے کے بجائے گھر میں دفن کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وضاحت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خیال کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ زنجویہ نے بہ طریق عمر مولیٰ غفرہ روایت کیا ہے کہ جب صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے تدفین کے متعلق باہم مشورہ کیا تو بعض صحابہ نے یہ رائے دی کہ ہم آپ کو اس جگہ دفن کریں جہاں آپ نماز پڑھتے تھے'' یعنی مسجد میں، مگر حضرت ابوبکر نے اس رائے کو سختی کے ساتھ رد کر دیا اور فرمایا ''پناہ بخدا! کہ ہم آپ کی قبر کو بت اور آستانہ بنا دیں۔ جس پر رسوم بندگی ادا کی جائیں'' (یعنی ایسا کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو قبلۂ حاجات اور مقصود ومسجود بنالیے جانے کا خطرہ ہے) تو کچھ دوسرے صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا جائے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی مہاجرین مدفون ہیں'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے بھی رد کر دیا اور فرمایا ''ہمیں یہ ہرگز گوارا نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی جگہ قبرستان میں بنادی جائے کہ لوگ اس سے لپٹنا اور وہاں دعا والتجا شروع کر دیں۔ یہ خاص اللہ کا حق ہے کہ اس سے دعا والتجا کی جائے اور اللہ کا حق رسول کے

مار ہو یہود ونصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔

تیسری اور چوتھی حدیث

عَنْ عَائِشَةَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ لَمَّا حَضَرَةِ الْوَفَاةُ جَعَلَ يُلْقِيْ عَلٰى وَجْهِهٖ طَرَفَ خَمِيْصَةٍ لَهُ فَاِذَا اغْتَمَّ كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهٖ وَ هُوَ يَقُوْلُ ((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) تَقُوْلُ عَائِشَةُ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا [1]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا تو آپ شدت تکلیف سے

گزشتہ سے پیوستہ:...... حق سے برتر و بالا ہے۔اگر ہم آپ کی قبر کو کھلی فضا میں بنا دیں گے تو اس طرح اللہ کے حق کو ضائع کرنے والے ہوں گے اور پھر اس برائی کے ازالہ کے لیے اگر ہم قبر سے جسم اطہر کو نکال کر کسی بند جگہ لیجانا چاہیں گے تو قبر شریف کو کھودنے کی جسارت کون کرے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تو آپ کی کیا رائے ہے۔ تب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ اِلَّا دُفِنَ حَيْثُ قُبِضَ رُوْحُهُ)) * ہر نبی وہیں دفن کیا گیا جہاں اس کی روح قبض کی گئی) یہ سن کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ''واللہ آپ نے انتہائی معقول اور تسلی بخش صورت بیان فرمائی'' چنانچہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے چاروں طرف نشان لگایا اور حضرت علی، حضرت عباس و حضرت فضل بن عباس اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم نے وہاں سے چارپائی اٹھائی اور ٹھیک چارپائی کی جگہ قبر کھودی گئی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں اس کی سند منقطع ہے، عمر مولیٰ غفرۃ نے صدیق اکبر کا زمانہ نہیں پایا ہے، نیز وہ ضعیف بھی ہے۔ (جامع کبیر سیوطی ۳/۱۴۷/۲،۱)

پچھلے صفحہ کا حاشیہ: [1] صحیح بخاری (۱/۶۲) صحیح مسلم (۱/۲۰۱) مسند ابی عوانہ، سنن ابی داؤد (۲/۴۳) مسند احمد (۲/۲۸۴، ۳۶۶، ۳۹۶، ۴۵۳، ۵۱۸) مسند ابویعلیٰ (۱/۲۷۸) تاریخ جرجان للسراج واسہمی (۳۴۹) تاریخ ابن عساکر (۱۴/۳۶۷/۲) بروایت سعید بن میسب عن ابی ہریرۃ ومسلم بروایت یزید بن الاصم عن ابی ہریرۃ، مصنف عبدالرزاق بطریق سعید بن میسب موقوفا۔ (۱/۴۰۶، ۱۵۸۹)

[1] صحیح بخاری (۱/۶۲، ۲/۶۳۹، ۸۶۵) صحیح مسلم (۱/۲۰۱) مسند ابی عوانہ (۱/۳۹۹) سنن نسائی (۱/۱۱۵) سنن دارمی (۱/۳۲۶) مسند احمد (۱/۲۱۸، ۶/۳۴، ۲۳۹، ۲۷۵) طبقات ابن سعد (۲/۲۵۸) مصنف عبدالرزاق (۱/۴۰۶/۱۵۸۸) عن ابن عباس فقط۔

* سنن ابن ماجہ ذکر وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۱۱۹) اور طبقات ابن سعد جز الوفات، میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔

چادر کبھی روئے مبارک پر ڈالتے اور کبھی اتار دیتے اور بار بار فرماتے تھے کہ یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ کی لعنت، ہو کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہود ونصاریٰ کے اس کردار سے ڈرارہے تھے۔"

حافظ ابن حجرؒ کی تشریح

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ویقین ہوگیا تھا کہ یہ زندگی کے آخری لمحات ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ لاحق ہوا کہ مبادا آپ کی قبر کے ساتھ بھی تعظیم کا وہی معاملہ ہو جو گزشتہ انبیا وصلحا کی قبروں کے ساتھ ہو چکا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ پر لعنت فرما کر یہ بات واضح کردی کہ میری امت کے بھی جو لوگ قبروں کے ساتھ یہود ونصاریٰ کا سا معاملہ کریں گے وہ بھی مذمت ولعنت کے مستحق ہوں گے۔ چھٹی حدیث میں اس کی صراحت آرہی ہے۔

پانچویں حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ لَمَّا كَانَ مَرَضُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم تَذَاكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيسَةً بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَ قَدْ كَانَتْ أُمُّ سَلْمَةَ وَ أُمُّ حَبِيبَةَ قَدْ أَتَتَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ فَذَكَرْنَ مِنْ حُسْنِهَا وَ تَصَاوِيرِهَا قَالَتْ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رَأْسَهُ فَقَالَ ((أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا تِلْكَ الصُّوَرَ أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.)) [1]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے موقع پر بعض بیویوں نے سرزمین حبشہ کے ایک ماریہ نامی گرجا کا تذکرہ کیا۔ ازواج مطہرات میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ملک حبشہ میں

[1] صحیح بخاری (۶۲/۱، ۱۷۹/۱) صحیح مسلم (۲۰۱/۱) سنن نسائی (۱۱۵/۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۴۰/۳) مسند احمد (۵۱/۶) مسند ابی عوانہ (۴۰۰/۱، ۴۰۱)، طبقات ابن سعد (۲۴۰/۲، ۲۴۱) مسند سراج (۴۸/۲) مسند ابی یعلی (۲۲۰/۲) سنن بیہقی (۸۰/۲)

ہجرت کے سلسلہ میں رہ چکی تھیں۔انہوں نے مذکورہ گرجا کی خوبصورتی اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ سننا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا ''جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو وہ لوگ اس کی قبر پر عبادت گاہ اور اس میں نیک لوگوں کی تصویریں بنا دیتے تھے۔یہی لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔''

تصویر کشی حرام ہے

حافظ ابن رجب حنبلیؒ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں ''کہ یہ حدیث بزرگوں کی قبروں پر مسجدیں اور مسجدوں میں ان کی تصویریں بنانے (جیسا کہ نصاریٰ بناتے ہیں) کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان دونوں کاموں میں سے ہر ایک حرام ہے، اسلام میں نہ قبروں کو مسجد اور عبادت گاہ بنانے کی گنجائش ہے، نہ کسی ذی روح کی تصویر بنانے کی اجازت، کتاب وسنت کی نصوص اور صریح دلائل سے ان دونوں کی حرمت ثابت ہے۔گرجا کی جن تصویروں کا ذکر ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا وہ اس گرجا کی دیواروں پر بنی ہوئی تھیں۔ان کا کوئی سایہ نہیں تھا، پس انبیا وصلحا کی تصویریں بنانا اور ان کو حصول برکت وشفاعت کا ذریعہ سمجھنا دین اسلام میں قطعاً حرام ہے اور بت پرستی کے ہم معنی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔''

بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنے کے لیے ان کی تصویریں اور مجسمے بنانا کہ لوگ ان کو دیکھ کر ان کے نقوش قدم کی پیروی کریں گے، یا تزئین وآرائش ذوق جمال کی آسودگی وآوارگی اور کھیل تماشا کے لیے تصویریں بنانا، یہ سب صورتیں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں، تصویر سازی کا مرتکب قیامت کے دن سخت عذاب الٰہی سے دوچار ہوگا کیونکہ یہ ظالم ان افعال میں جن پر اللہ کے علاوہ کوئی قادر نہیں، اپنے آپ کو اللہ کے مماثل سمجھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے مثل نہ کوئی ذات وصفات میں ہے نہ افعال میں۔ [1]

---

[1] الکواکب الدراری (۶۵/۸۲/۴)

ذی روح کی تصویر خواہ ہاتھ سے بنائی جائے یا کیمرہ اور فوٹو گراف کی مدد سے، ہمارے نزدیک دونوں حرام اور ناجائز ہے۔ ان میں فرق کرنا اور پہلی صورت کو ناجائز اور دوسری صورت کو جائز قرار دینا جمود تقلید اور عصر حاضر کی جاہلی تہذیب سے متاثر ہونے کی علامت ہے۔ [1]

چھٹی حدیث

((عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِخَمْسٍ وَهُوَ يَقُوْلُ ((قَدْ كَانَ لِيْ فِيْكُمْ اِخْوَةٌ وَاَصْدِقَاءُ وَاِنِّيْ اَبْرَأُ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يَّكُوْنَ لِيْ فِيْكُمْ خَلِيْلٌ وَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ اُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَّا تَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا اَلَا وَ اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ فَاِنِّيْ اَنْهَاكُمْ مِّنْ ذَالِكَ)) [2]

''حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وصال سے پانچ دن پہلے یہ سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے'' تم میں میرے بھائی اور دوست ہیں اور اللہ کی طرف میں اس بات سے برأت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں میرا کوئی خلیل ہو، کیونکہ اللہ عزوجل نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ یاد رکھو تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء و صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے۔ خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

---

[1] اس موضوع کی تفصیل مؤلف کی کتاب ''آداب الزفاف'' میں ملاحظہ کیجئے۔ البتہ شرعی مجبوری اور اضطراری حالت میں فوٹو مباح ہے۔ مثلاً سفر حج کے لیے۔ (مترجم)

[2] صحیح مسلم (۱/۲۰۱) مسند ابی عوانہ (۱/۴۰۱) معجم کبیر طبرانی (۱/۸۴/۲) طبقات ابن سعد (۲/۲۴۰) طبقات میں یہ حدیث مختصراً مروی ہے۔ اس میں اخوۃ اور اتخاذ خلیل کا ذکر نہیں ہے۔ اس حدیث کی ایک شاہد حدیث طبقات ہی میں حضرت ابوامامہ سے مروی ہے۔ (۲/۲۴۱) اور دوسری شاہد طبرانی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ابن حجر ہیتمی نے کتاب الزواجر (۱/۱۲۰) میں اس کی سند کو مقبول قرار دیا ہے۔ مگر حافظ نورالدین ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں اس کی سند کو ضعیف بتایا ہے۔

خلیل کا معنی

کسی کا خلیل وہ شخص ہوتا ہے جس کی طرف یہ یکسو ہو جائے۔ یہ لفظ بعض اہل لغت کے نزدیک خَلَّہ (بفتح خاء) سے مشتق ہے۔ جس کے معنی حاجت کے ہیں اور بعض اہل لغت کے نزدیک خُلَّہ (بضم خاء) سے مشتق ہے۔ جس کے معنی دل میں محبت والفت کا پیوست ہو جانا ہے۔ حدیث مذکورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی نفی فرما دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر اللہ کے محتاج ہوں یا ان کی طرف راغب اور یکسو ہوں۔ (شرح مسلم، نووی)

ساتویں حدیث

((عَنِ الْحَارِثِ النَّجْرَانِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِخَمْسٍ وَهُوَ يَقُوْلُ((اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ مِّنْ ذَالِكَ)) [1]

''حضرت حارث نجرانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پانچ روز پہلے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے! خبردار تم سے پہلی امتیں انبیا و صالحین کی قبروں کو مسجد بنا لیتی تھیں تم قبروں کو مسجد نہ بنانا۔ میں سختی کے ساتھ تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔''

آٹھویں حدیث

((عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ اُدْخُلُوْا عَلَيَّ اَصْحَابِيْ وَهُوَ مُتَقَنِّعٌ بِبُرْدَةٍ مَعَافِرِيٍّ [2] فَكَشَفَ الْقِنَاعَ فَقَالَ((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) [3]

---

[1] مصنف ابن أبی شیبہ (۳۷۶/۲) اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[2] معافری یعنی یمنی چادر، یہ معافر کی طرف منسوب ہے۔ جو یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ (نہایہ)

[3] مسند طیالسی (۱۱۳/۲) مسند احمد (۲۰۴/۵) معجم طبرانی (۱/۲۳/۱) اس کی سند شواہد میں حسن ہے، امام شوکانی نے اس کو قوی کہا ہے۔ (نیل الاوطار ۱۱۴/۲) اور امام ہیثمی نے اس کے متعلق ''رجالہ موثقون'' لکھا ہے۔ مجمع الزوائد (۲/ ۲۷)

''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کے ایام میں صحابہ کو ایک روز اپنے پاس بلایا صحابہ حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یمنی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ چادر الٹی اور فرمایا:

یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ لعنت فرمائے انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بنالیا۔''

نویں حدیث

عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اٰخِرُ مَاتَكَلَّمَ بِهِ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم ((اَخْرِجُوا الْیَهُوْدَ اَهْلَ الْحِجَازِ وَاَهْلَ نَجْرَانَ مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ شِرَارَ النَّاسِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا)) وَفِیْ رِوَایَةٍ ((یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) [3]

''حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ زندگی کی آخری بات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ اہل حجاز اور اہل نجران کے یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ یاد رکھو وہ لوگ بدترین خلائق ہیں جنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ ایک روایت میں ہے، جو انبیا کی قبروں کو مسجد بنائیں گے۔''

---

[3] مسند احمد (رقم ۱۶۹۱) مشکل الآثار طحاوی (۱۳/۴) مسند ابویعلی (۵۷/۱) تاریخ ابن عساکر (۳۶۷/۸) بسند صحیح، امام ہیثمی ''مجمع الزوائد'' (۲۵۳/۵) میں لکھتے ہیں ''(رَوَاهُ اَحْمَدُ بِاَسَانِیْدَ وَرِجَالُ طَرِیْقَیْنِ مِنْهَا ثِقَاتٌ مُتَّصِلٌ اِسْنَادُ هُمَا وَرَوَاهُ اَبُوْ یَعْلٰی) (یعنی اس حدیث کو امام احمدؒ نے متعدد سندوں سے روایت کیا ہے جن میں سے دو متصل ہیں اور ان کے تمام راوی بھی ثقہ ہیں) مگر میرے نزدیک یہ بات محل نظر ہے کیونکہ تینوں سندوں کا مدار ابراہیم بن میمون عن سعد پر ہے۔

البتہ بعض راویوں نے ابراہیم اور سعد کے درمیان اسحاق بن سعد کا اضافہ کردیا ہے۔ مگر یہ اس کا وہم ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تعجیل المنفعہ'' میں اس کی وضاحت فرمادی ہے، نیز اس روایت میں ''وَاعْلَمُوْا اَنَّ شِرَارَ النَّاسِ'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

حدیث مذکور کو امام ہیثمی نے (۸۲/۲) میں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ ''رواہ البزار و رجالہ ثقات'' ایک مرسل حدیث جو عمر بن عبدالعزیز سے مرفوعاً مروی ہے۔ طبقات (۲۵۴/۲) اس حدیث کی شاہد ہے۔

دونوں روایتوں کا فرق ظاہر ہے، پہلی روایت میں اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے۔ جیسا کہ احادیث متقدمہ میں اس کی صراحت ہے اور دوسری روایت میں اشارہ اس امت کے ان لوگوں کی طرف ہے جو قبروں کو سجدہ گاہ بنانے میں یہود و نصاریٰ کی سی روش اختیار کریں گے۔ اس مفہوم کی تائید چھٹی، ساتویں اور بارہویں حدیث سے ہوتی ہے۔

دسویں حدیث

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ (لَعَنَ) وَ فِيْ رِوَايَةٍ ((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) [1]

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہود پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے۔'' دوسری روایت میں ہے۔ ''یہود کو اللہ تباہ و برباد کرے کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔''

گیارہویں حدیث

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((اَللّٰهُمَّ لَا

---

[1] مسند احمد (۵/۱۸۴، ۱۸۶) اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ ایک راوی عقبہ بن عبدالرحمٰن جس کی کنیت ابو معمر ہے۔ وہ مجہول ہے۔ (تقریب) امام ہیثمی کے قول ''رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُوْنَ'' سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، جیسا کہ امام شوکانیؒ کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے نیل (۲/۱۱۴) میں اس کی سند کو ''جید'' قرار دے دیا۔ کیونکہ ''مُوَثَّقُوْنَ'' کا مرتبہ، مراتب تعدیل میں ''ثقات'' سے کم ہے۔ ''موثقون'' کہنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض راویوں کی توثیق قوی نہیں ہے، سند مذکور کے بارے میں امام ہیثمی نے ''رجالہ موثقون'' کہہ کر غالباً اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عقبہ بن عبدالرحمٰن کو صرف امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور تنہا ابن حبان کا کسی راوی کو ثقہ کہنا ماہرین علم الحدیث کے نزدیک اس کو ثقہ مان لینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ میں نے اس بحث کو اپنے ایک رسالہ ''الرد علی التعقب الحثیث'' میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (ص ۱۸، ۲۱) علاوہ ازیں کسی حدیث کے متعلق کسی محدث کا یہ کہنا کہ ''اس کے رجال ثقہ ہیں'' یا یہ کہنا کہ ''اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں'' اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث صحیح السند ہے (کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سند میں انقطاع ہو یا کوئی راوی مدلس ہو وغیرہ)

میں نے اس بحث کو ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ'' (۲/۵) میں مفصلاً بیان کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کیجئے، بہر حال حدیث مذکورہ بالا اپنی شواہد روایات متقدمہ کے ساتھ مل کر صحیح ہے۔

تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَ ثَنًالَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) [1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:
الٰہی میری قبر کو بت نہ بننے دینا، ان قوموں پر اللہ کی لعنت جنہوں نے اپنے
انبیا کی قبروں کو مسجد بنالیا۔''

''نہ تربت کو میری صنم تم بنانا''

علامہ ابن عبدالبرؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں ''وثـــن''، صنم کا ہم معنی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میری قبر کو بت نہ بننے دینا کہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے، اس کا سجدہ کیا جائے اور خصوصیت کے ساتھ وہاں آ کر عبادت کی جائے۔ کیونکہ جس نے یہ سب کیا وہ شدید غضب خداوندی میں مبتلا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور پوری امت کو ان قوموں کی بدعملی اور اس کے برے نتائج سے ڈرا رہے ہیں جنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں اور ان کو قبلہ وسجدہ گاہ بنایا، جس طرح کہ بت پرست قومیں اپنے خود ساختہ بتوں کو سجدہ کرتی ہیں اور ان کی تعظیم بجالاتی ہیں۔ یہ شرک اکبر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کی برائی ہمیشہ

---

[1] مسند احمد (۳۵۲) طبقات ابن سعد (۲/۲۴۱) فضائل مدینہ لمفضل جندی (۱/۲۶) مسند ابی یعلی (۱/۳۱۲) مسند حمیدی (۱۰۲۵) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم (۶/۲۸۳، ۷/۳۱۸) یہ حدیث صحیح السند ہے، اس کی ایک مؤید اور شاہد حدیث زید بن اسلم سے مرسلاً مصنف عبدالرزاق (۱/۴۰۶، ۵۸۷) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۴/۴۱) میں مروی ہے اور اس کی سند بھی قوی ہے۔ ایک دوسری شاہد مرسل مؤطا مالک (۱/۱۸۵) اور طبقات (۲/۲۴۰، ۲۴۱) میں عطاء بن یسار سے مرفوعاً مروی ہے۔ اس کی سند بھی صحیح ہے، امام بزار نے اسے ابوسعید خدری، سے موصولاً روایت کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے اس حدیث کو مرسلاً اور موصولاً دونوں طریق سے صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ''جو لوگ مراسیل ثقات کو صحیح قرار دیتے ہیں یہ حدیث ان کے نزدیک بھی صحیح ہے اور جو لوگ مسند ہی کو صحیح قرار دیتے ہیں، یہ حدیث ان کے نزدیک بھی صحیح ہے۔ اسے موصولاً عمر بن محمد نے روایت کیا ہے اور یہ ان راویوں میں سے ہے جن کی زیادتی (رفع وصل وغیرہ) مقبول ہوتی ہے۔

(تنویر الحوالک للسیوطی) میرے نزدیک ابن عبدالبر کی یہ تحقیق محل نظر ہے، اس لیے کہ حافظ ابن رجب حنبلی نے (فتح الباری) میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو اسی طریق سے بزار نے بھی روایت کیا ہے اور یہ راوی عمر، عمر بن اصبھان ہیں، مسند بزار کے بعض نسخوں میں اسی نسبت کے ساتھ ان کا ذکر آیا ہے، اس لیے ابن عبدالبر کا ان کو عمر بن محمد سمجھنا ان کا وہم ہے۔

اس حدیث کے مثل ایک اور حدیث بطریق ابی سلمہ [illegible] ہریرۃ رضی اللہ عنہ مروی ہے، لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔''

اس لیے بیان فرماتے رہے کہ یہ اللہ کی ناراضگی اور اس کے غیظ وغضب کا باعث ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ لگا رہتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی کہیں بت پرستوں اور یہودیوں کی روش نہ اختیار کر لے۔ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب اور کفار کی مشابہت سے بچنے کو نہایت پسند فرماتے تھے اور اپنی امت کے بارے میں فکرمند رہا کرتے تھے کہ کہیں یہ یہود ونصاریٰ کی تقلید اور پیروی نہ کرنے لگے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنبیہ کے طور پر یہ بیان فرمایا ہے کہ ''تم لوگ یقیناً اگلی امتوں کے قدم بہ قدم چلو گے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے یہاں تک کہ ان میں اگر کوئی گوہ کے بل میں گھسا ہوگا تو تم بھی گھسو گے۔'' (فتح الباری لابن رجب حنبلی من الکواکب الدراری لابن عروۃ، ۶۵/۹۰/۲)

بارھویں حدیث

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ((اِنَّ مِنْ اَشْرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُ السَّاعَةُ وَهُمْ اَحْيَاءٌ وَمَنْ يَّتَّخِذُ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ.)) [1]

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک وہ لوگ بدترین خلائق ہیں جن پر قیامت قائم ہوگی اور وہ لوگ جو قبروں کو مسجد بنائیں گے۔''

تیرھویں حدیث

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَقِيَنِيَ الْعَبَّاسُ

---

[1] صحیح ابن خزیمہ (۲/۹۲/۱) صحیح ابن حبان (۳۴۰/۳۴۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۴۰/۴) مسند احمد (۳۸۴۴، ۴۱۴۳) معجم کبیر طبرانی (۱/۷۷/۳) مسند ابی یعلی (۱/۲۵۷) اخبار اصبہان لابی نعیم (۱/۱۴۲) اس حدیث کی سند حسن ہے، و مسند احمد (۴۳۴۲) بہ سند دیگر، یہ بھی سند اول کی تائید سے حسن ہے، اس طرح یہ حدیث بہ لحاظ مجموع صحیح ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ''منہاج السنہ'' (۳۱۱) اور اقتضاء الصراط المستقیم (۱۵۸) میں حدیث مذکور کی سند کو ''جید'' قرار دیا ہے، امام ہیثمی ''مجمع الزوائد'' (۲۷/۲) میں فرماتے ہیں ''اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے، اس کی سند حسن ہے'' اس حدیث کو صرف طبرانی کی طرف منسوب کرنا غلطی ہے۔ اس لیے کہ یہ حدیث مسند احمد میں بھی تین مقامات پر موجود ہے۔ جب کہ ہم نے اوپر ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حدیث مذکور کا نصف اول صحیح بخاری (۶۳۹/۲) میں بھی معلقاً مروی ہے۔

فَقَالَ اِنْطَلِقْ بِنَا اِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَاِنْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ وَاِلَّا اَوْصٰی بِنَا النَّاسَ فَدَخَلْنَا عَلَیْهِ وَهُوَ مُغْمِیٌّ عَلَیْهِ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ ((لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) زَادَ فِیْ رِوَایَةٍ ((ثُمَّ قَالَهَا ثَلَاثًا)) فَلَمَّا رَاَیْنَا مَابِهٖ خَرَجْنَا وَلَمْ نَسْئَلْهُ عَنْ شَیْءٍ [1]

''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا ہمارے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو، ہوسکتا ہے ہمیں کچھ عنایت ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ذریعہ لوگوں کو کچھ وصیت فرمائیں۔ چنانچہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری تھی، افاقہ ہوا تو سر مبارک اٹھایا اور فرمایا ''یہود پر اللہ لعنت فرمائے۔ انہوں نے انبیا کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی شدت دیکھی تو واپس چلے آئے اور کچھ عرض معروض نہیں کیا۔''

چودھویں حدیث

عَنْ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالُوْا کَیْفَ نَبْنِیْ قَبْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَجْعَلُهٗ مَسْجِدًا؟ فَقَالَ اَبُوْبَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ ((لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) [2]

''امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے سلسلہ میں مشورہ کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کہاں بنائیں؟ کیا اسے مسجد میں بنائیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: یہود و نصاریٰ پر اللہ لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا۔''

[1] ابن سعد (۴/۲۴) اور ابن عساکر نے یہ حدیث دو طریق سے روایت کی ہے اور دونوں میں ایک راوی ابوبکر بن عون ہیں۔ کتب اسماء الرجال میں مجھے ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملا، دولابی اور حاکم نے کتاب الکنی میں بھی ان کا ذکر نہیں کیا۔ باقی رواۃ ثقہ ہیں۔ [2] جامع کبیر طبرانی نقلا عن ''فضائل الصدیق'' لابن زنجویہ۔

فصل دوم

قبروں پر مسجد بنانے کا معنی

گزشتہ صفحات میں ذکر شدہ احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ قبروں کو مسجد بنانا شرعاً ممنوع اور منکر ہے اور اس کا مرتکب اللہ کے غیظ وغضب اور اس کی شدید ناراضگی کا مستحق ہے۔ آئندہ اوراق میں ہم قبر کو مسجد بنانے کی حقیقت اور اس کے معنی ومطلب پر غور کرنا چاہتے ہیں۔

قبروں کو مسجد بنانے کے تین معنی ہیں

بہ ظاہر قبروں کو مسجد بنانے کے تین معانی ہو سکتے ہیں۔ پہلا معنی، قبروں پر نماز پڑھنا یعنی قبروں پر سجدہ کرنا، دوسرا معنی، قبروں کی طرف رخ کر کے سجدہ کرنا، یعنی دعا ونماز کے وقت قبروں کو قبلہ بنانا، تیسرا معنی، قبروں پر مسجد تعمیر کرنا اور اس میں نماز پڑھنے کا خصوصیت سے قصد واہتمام کرنا۔ علما کی ایک جماعت نے ان تینوں معانی کو درست قرار دیا ہے۔ بعض علما نے ایک یا دو معنی کا ذکر کیا ہے اور بعض نے تینوں معانی کے بیک وقت مراد ہونے کی صراحت کی ہے، سید الانبیا ﷺ سے بھی صریح احادیث وارد ہیں جن سے ان معانی کی تائید ہوتی ہے۔

پہلا معنی

علما کے اقوال اور مؤید روایات:

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ ''کِتَابُ الزَّوَاجِرِ فِي النَّهْيِ عَنْ اِقْتِرَافِ الْكَبَائِر'' (۱/۱۲۱) میں تحریر فرماتے ہیں ''قبروں کو مسجد بنانے کا معنی قبر پر نماز پڑھنا یا قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ہے۔''

دیکھیے علامہ موصوف نے صراحت فرمادی کہ قبر کو مسجد بنانے کے معنی میں سے ایک ''قبر پر نماز پڑھنا ہے۔'' علامہ صنعانیؒ (امیر یمانی) ''سبل السلام'' [illegible] ہیں ''قبروں کو مسجد بنانے کا معنی قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے اور قبر [illegible]

پڑھنے، دونوں صورتوں کو شامل ہے۔''

یعنی تینوں معنی مراد ہونے کی بھی گنجائش ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تینوں معانی مراد لیتے ہیں۔ ان کی تصریح آگے آرہی ہے۔

پہلے معنی کی تائید رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے:

(1) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ ((نَھٰی اَنْ یُبْنٰی عَلَی الْقُبُوْرِ اَوْ یُقْعَدَ عَلَیْھَا اَوْ یُصَلّٰی عَلَیْھَا)) [1]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر بناء وتعمیر، ان پر بیٹھنے اور ان پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔''

(2) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ ((لَا تُصَلُّوْا اِلٰی قَبْرٍ وَلَا تُصَلُّوْا عَلٰی قَبْرٍ)) [2]

''عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو نہ قبر پر نماز پڑھو۔''

(3) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ ((نَھٰی عَنِ الصَّلٰوۃِ اِلَی الْقُبُوْرِ)) [3]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔''

(4) عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ سُئِلَ عَنِ الصَّلٰوۃِ وَسَطَ الْقُبُوْرِ قَالَ ذُکِرَ لِیْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ ((کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ)) فَلَعَنَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ [4]

''عمرو بن دینار تابعیؒ سے قبروں کے درمیان نماز پڑھنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، مجھ سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد بیان کیا گیا ہے کہ بنو اسرائیل

---

(1) مسند ابی یعلی باسناد صحیح (۲/۶۶) ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ (2) معجم کبیر طبرانی (۳/۱۴۵/۲) و (۳/۱۵۰/۱) بسند آخر، یہ حدیث بانضمام سندین صحیح ہے۔ امام بخاریؒ نے ''تاریخ صغیر'' میں اسے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ (3) صحیح ابن حبان (۳۴۳) (4) مصنف عبدالرزاق (۱۵۹۱) اس کی سند مرسل صحیح ہے۔

نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا، اس لیے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی۔''

قبروں کے درمیان نماز پڑھنے کی ممانعت پر حضرت عمرو بن دینار کا اس حدیث سے استشہاد ظاہر کرتا ہے کہ ان کے نزدیک ''قبر پر نماز پڑھنا'' بھی قبر کو مسجد بنالینا ہے۔

دوسرا معنی

علما کے اقوال اور موید روایات:

علامہ مناویؒ ''فیض القدیر'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (فصل اول کی تیسری حدیث) کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''یہود و نصاریٰ نے اپنے باطل اعتقاد کے تحت قبروں کو قبلہ بنالیا اور ان کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے لگے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، گویا قبروں پر مسجد بنانا ہے، اسی طرح اس کا عکس یعنی قبروں پر مسجد تعمیر کرنا قبروں کو سجدہ گاہ بنالینا ہے۔ [1] یہ بات بالکل واضح ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہود پر لعنت فرمائی ہے، کیونکہ اس میں انبیا کی تعظیم و تکریم میں بے جا غلو پایا جاتا ہے۔''

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں ''یہود انبیا کی تعظیم میں ان کی قبروں کا سجدہ کرتے تھے۔ ان کی قبروں کو قبلہ بناتے اور نماز میں قبروں ہی کی طرف رخ کرتے تھے، گویا انہوں نے قبروں کو بت بنالیا تھا، اسی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس عمل بد سے منع فرمایا۔ (حوالہ مذکور)

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (۲/۳۷۲) میں اس نہی کی علت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ ''قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں صاحب قبر کی غلو آمیز تعظیم پائی جاتی ہے۔ گویا کہ اسے معبود کا درجہ دیا گیا ہے، قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا مقصد اگر واقعی قبر یا صاحب قبر کی تعظیم ہو تو یہ کفر ہے۔ اس لیے اگر کوئی نماز اللہ ہی کے لیے پڑھے لیکن قبر کی طرف رخ کر کے پڑھے تو ایک کافرانہ عمل کے ساتھ تشابہ کی وجہ سے یہ بھی مکروہ تحریمی اور حرام ہے۔

[1] یعنی قبر کی طرف رخ کر کے سجدہ و نماز ادا کرنا قبر پر مسجد بنانا ہے، کیونکہ ہر وہ جگہ مسجد ہے جہاں سجدہ کیا جائے۔ اسی طرح قبر پر مسجد تعمیر کرنے کا مآل اور انجام یہ ہوگا کہ قبر کو قبلہ بنالیا جائے گا، اس کے پاس نماز پڑھنے کو برکت و سعادت کا ذریعہ سمجھا جانے لگے گا اور یہ چیز رفتہ رفتہ قبر ہی کو مسجود و مقصود بنا دے گی۔

قبر کو قبلہ بنانے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی قطعی ممانعت صریح حدیث میں بھی وارد ہے۔

❶ ((عَنْ اَبِیْ مَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا)) [1]

''ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ قبروں پر بیٹھو، نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔''

اس حدیث کے مثل ایک اثر ثابت بنانی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

❷ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کُنْتُ اُصَلِّیْ قَرِیْبًا مِنْ قَبْرٍ فَرَآنِیْ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: الْقَبْرَ الْقَبْرَ فَرَفَعْتُ بَصَرِیْ اِلَی السَّمَاءِ وَ اَنَا اَحْسِبُهُ یَقُوْلُ الْقَمَرَ فَقَالَ اِنَّمَا اَقُوْلُ الْقَبْرَ لَا تُصَلِّ اِلَیْهِ [2]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قبر کے قریب نماز پڑھ رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو کہنے لگے ''قبر قبر'' میں نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی کیونکہ میں سمجھا کہ ''قمر قمر'' کہہ رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قبر کہہ رہا ہوں، اس کی طرف رخ کر کے نماز مت پڑھو۔''

تیسرا معنی

قبر پر مسجد تعمیر کرنا، یہ معنی امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی فصل اوّل کی پہلی حدیث کا ترجمۃ الباب ان لفظوں میں منعقد کیا ہے۔ ''بَابُ مَا یُکْرَهُ مِنْ اِتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ عَلَی الْقُبُوْرِ'' (قبروں پر

---

❶ صحیح مسلم (۳۱۲/۱) سنن ابی داؤد (۴۳/۲) سنن نسائی (۱۲۴) جامع ترمذی (۱۳۶/۱) شرح معانی الآثار طحاوی (۲۹۶/۱) سنن بیہقی (۴۳۵/۳) مسند احمد (۱۳۵/۴) تاریخ ابن عساکر (۱۵۲،۱۵۱/۲) اس حدیث کی سند کو امام احمد رحمہ اللہ نے جید کہا ہے، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے پوتے شیخ سلیمان نے ''حاشیہ علی المقنع (۱۲۵/۱) میں اس حدیث کو ''متفق علیہ'' لکھا ہے۔ مگر یہ ان کا وہم ہے، البتہ (ص ۲۸۱) پر صرف مسلم کا حوالہ دیا ہے اور یہ صحیح ہے، شیخ سے اس طرح کے بہت تسامحات ہوئے ہیں، اس لیے ان کی تخریج پر اعتماد کر لینا ٹھیک نہیں۔

❷ المطالب العالیہ: کتاب الصلوٰۃ، رقم ۳۵۰-۲۵۹۔

مسجدیں بنانے کی کراہیت کا بیان) اس سے امام بخاریؒ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت قبر پر مسجد بنانے کی ممانعت کو مستلزم ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے، علامہ مناویؒ سے اس معنی کی تصریح کا ذکر گزر چکا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ کرمانی کی یہ توجیہ نقل کی ہے ''حدیث کا مفاد یہ ہے کہ قبر کو سجدہ گاہ بنانا ممنوع ہے اور باب کا مدلول و مفہوم یہ ہے کہ قبر پر مسجد تعمیر کرنا منع ہے، حدیث اور باب کا مفہوم ایک دوسرے کے بہ ظاہر متغایر ہے مگر اس تغایر کے باوجود دونوں میں درحقیقت تلازم ہے'' (یعنی قبر کو سجدہ گاہ بنانا قبر پر مسجد بنانے کو مستلزم ہے اور قبر پر مسجد بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قبر کو سجدہ گاہ بنالیا جائے گا)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث کے آخر میں جو یہ فرمایا ہے کہ ''اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ قبر نبوی کو مسجد بنالیا جائے گا تو اسے کھلی جگہ میں بنایا جاتا'' تو اس سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے، حضرت صدیقہ کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اس وجہ سے مستحق لعنت قرار پائے کہ انہوں نے ادائے نماز کے لیے قبروں کو منتخب کیا، ان کو سجدہ گاہ بنایا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوا کہ قبروں پر باقاعدہ قبے اور مسجدیں تعمیر کی گئیں، اسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قبر نبوی کو حجرہ میں بنایا، انہیں خطرہ تھا کہ اگر وہ کھلی جگہ میں بنادی گئی تو لوگ اس کے پاس نماز پڑھنے کا خصوصیت کے ساتھ قصد و ارادہ کریں گے اور اسے اہمیت دینے لگیں گے، یہ دیکھ کر آئندہ کوئی اس پر مسجد تعمیر کردے گا تو وہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح لعنت خداوندی میں گرفتار ہو جائے گا۔

اس معنی کی تائید حسن بصریؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن سعد نے طبقات (۲۴۱/۲) میں بسند صحیح نقل کیا ہے، حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

> ''صحابہ نے مشورہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دفن کریں، مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی سخت مخالفت کی اور فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ان قوموں پر اللہ کی لعنت، جنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجد بنالیا'' (حسن بصری

فرماتے ہیں) اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے باتفاق رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی، دفن کیا۔"

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے۔ دو باتوں پر دلالت کر رہی ہے۔

❶ قبروں کو مسجد بنانا، جسے حدیث نبوی میں مستوجب لعنت قرار دیا گیا ہے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک اس مسجد کو بھی شامل ہے۔ جس میں تعمیر کے بعد کوئی قبر بنائی جائے، تو اس مسجد کو بدرجۂ اولیٰ شامل ہوگا جو قبر ہی پر بنائی گئی ہو۔

❷ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مطلب سمجھا تھا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سے اتفاق کیا اور اسی کے مطابق عمل کیا۔

مسجد میں قبر:

بہر کیف اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ قبر پر مسجد بنانے اور مسجد میں قبر بنانے میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں ہی صورتیں حرام ہیں، کیونکہ خطرہ قبروں کی تعظیم، جو قبور پرستی کا ذریعہ اور بت پرستی کا پیش خیمہ ہے، دونوں صورتوں میں یکساں طور پر موجود ہے، اسی بنا پر حافظ عراقی نے یہ کہا ہے کہ:

"اگر کسی نے اس نیت سے مسجد تعمیر کی کہ اسے مرنے کے بعد اس مسجد کے کسی حصہ میں دفن کیا جائے تو وہ ملعون ہے اور اس مسجد میں اس کو دفن کرنا حرام ہے اور اگر اس نے بوقت تعمیر دفن کرنے کی شرط لگائی ہو تو یہ لغو اور باطل ہوگی، کیونکہ یہ شرط وقف مسجد کے خلاف اور اس کے منافی ہے۔"

حافظ عراقی کا یہ قول علامہ مناوی نے "فیض القدیر" (۲۷۴/۵) میں نقل کیا ہے اور اس سے اتفاق کیا ہے، معلوم ہوا کہ دین اسلام میں مسجد اور قبر کا اجتماع جائز نہیں ہے، توحید خالص کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے دور رہیں۔

اس تیسرے معنی کی تائید فصل اول کی پانچویں حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب ان (نصاریٰ) میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو وہ لوگ اس کی قبر پر

عبادت گاہ بنا لیتے تھے۔ یہی لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین خلائق ہوں گے۔''

یہ حدیث انبیاو صالین کی قبر پر مسجد بنانے کی حرمت کے ثبوت میں نص صریح ہے، کیونکہ اس میں صراحت کی گئی ہے کہ (نصاریٰ، عیسائیوں) کے عند اللہ بدترین خلائق ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ قبروں پر عبادت گاہیں تعمیر کرتے ہیں۔

تیسرے معنی کی تائید درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ)) [1]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر کچھ تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

یہ نہی عام جیسے قبر پر قبہ وغیرہ بنانے کو شامل ہے، اسی طرح قبر پر مسجد بنانے کو بھی شامل ہے، بلکہ یہی نہی وممانعت کی زیادہ مستحق ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ ''قبر کو مسجد بنانے کا معنی ومطلب'' قبر پر مسجد تعمیر کرنا بھی صحیح ہے، لفظ ((اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) اس معنی پر دلالت کرتا ہے اس لیے قبر کو سجدہ گاہ اور قبلہ بنانے کی خاطر قبر پر مسجد تعمیر کرنا بھی نہی وممانعت میں داخل اور حرام ہے۔

---

[1] صحیح مسلم (۳۱۲/۱) جامع ترمذی (۱۳۶/۱) مسند احمد (۳/ ۳۳۹، ۳۹۹) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۳۴/۴) یہ حدیث بلا شبہ صحیح ہے۔ کوئی بھی جو اصول تصحیح وتضعیف کا علم رکھتا ہو اس کے صحیح ہونے میں شک نہیں کر سکتا، کوثری نے اسے جو اس بنا پر ضعیف کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی ابوزبیر مدلس ہے اور اس نے یہ حدیث معنعنا روایت کی ہے، تو اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ صحیح مسلم اور مسند احمد میں تحدیث کی صراحت موجود ہے، میں نہیں سمجھتا کہ کوثری کو اس کا علم نہیں رہا ہوگا، مگر یہ ان مقلدین کی پرانی عادت ہے کہ جو حدیث مفید مطلب ہوگی اسے صحیح اور جو خلاف ہوگی اسے خواہ مخواہ ضعیف قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوثری اس بارے میں اہل علم کے یہاں کافی مشہور ہیں، ان کی اس روش کے کچھ نمونے میری کتاب ''اَلْاَحَادِيْثُ الضَّعِيْفَةُ وَ اَثَرُهَا السَّيِّءُ فِي الْاُمَّةِ'' میں ملیں گے۔ ملاحظہ ہو حدیث نمبر (۲۳، ۲۴، ۲۵)

الغرض حدیث مذکور صحیح ہے، ابوالزبیر اس کی روایت میں منفرد نہیں ہے، بلکہ سلیمان بن موسیٰ (مسند احمد وغیرہ) اور ابونضرۃ (ذیل تاریخ بغداد لابن النجا (۱/۲۰۱/۱۰) نے اس کی متابعت کی ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت وتصحیح کے ساتھ یہ بھی کہا ہے'' کہ یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔

اس حدیث کی ایک شاہد مسند احمد میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور دوسری ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (الکواکب الدراری، ۸۶، ۸۷، تفسیر ۵۴۸)

قبر پر مسجد بنانے کا مطلب

امام شوکانی ''شَرحُ الصُّدُوْرِ فِیْ تَحرِیْمِ رَفْعِ الْقُبُوْرِ'' میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث میں خاص قبر (یعنی اس کی دو گز زمین) کے اوپر بناء و تعمیر سے منع کیا گیا ہے (نہ کہ اس کے ارد گرد یا قریب، پاس مشاہد و مساجد تعمیر کرنے سے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی اور کہیں بھی ایسا نہیں دیکھا یا سنا گیا ہے کہ قبروں کی تعظیم میں لوگ خاص قبر پر روضہ یا مسجد تعمیر کرتے ہوں، در حقیقت یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا یہ معنی قرار دینا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام رکھنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبث اور بے مطلب بات بھی کہتے تھے، العیاذ باللہ، ظاہر ہے کہ منع اسی چیز سے کیا جاتا ہے جو زیر عمل آتی یا آسکتی ہو، جو ناممکن العمل ہو اس سے روکنا کیا معنی؟...... اور زیر عمل یہی صورت آتی رہی ہے کہ لوگ قبروں کے قریب چاروں طرف سے مساجد اور مشاہد تعمیر کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے منع فرمایا ہے، خاص قبر کے متصل چاروں طرف ہاتھ دو ہاتھ اونچی دیوار قائم کرنا یا قبر کے اطراف و جوانب میں اس طرح قبے، مساجد اور مشاہد تعمیر کرنا کہ قبر اس کے اندر رہو (بیچ میں یا کسی گوشہ میں) یہ سب عربی زبان و محاورے کی رو سے **بِنَاء عَلَی الْقَبْر** کا مصداق ہے، جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتاکید منع فرمایا ہے، عربی محاورہ ہے:

بَنَی السُّلْطَانُ عَلٰی مَدِیْنَةِ کَذَا اَوْقَرْیَةِ کَذَا سُوْرًا.

''بادشاہ نے فلاں شہر یا فلاں گاؤں پر فصیل تعمیر کرائی۔''

حالانکہ فصیل شہر یا گاؤں کے اطراف و جوانب میں تعمیر کی جاتی ہے۔

نیز کہا جاتا ہے:

بَنٰی فُلَانٌ فِی الْمَکَانِ الْفُلَانِ مَسْجِدًا.

''فلاں نے فلاں علاقہ میں مسجد بنوائی''

حالانکہ مسجد اس خطہ کے کسی ایک حصہ میں ہوتی ہے۔ اس لیے جو یہ سمجھتا ہے کہ قبر کے اطراف و جوانب میں تعمیر شدہ مساجد و مشاہد پر **بناء علی القبر** کا اطلاق نہیں ہوگا وہ

عربی لغت اور زبان ومحاورے سے قطعاً ناواقف ہے۔

قبروں پر تعمیر شدہ مساجد میں نماز جائز نہیں

احادیث متقدمہ سے یہ مسئلہ بھی بالکل واضح ہے کہ ان مسجدوں میں جن کے اندر قبر ہو، خواہ وہ قبر پر تعمیر کی گئی ہوں یا ان کے اندر بعد میں قبر بنائی گئی ہو۔ نماز پڑھنا ناجائز اور ممنوع ہے، کیونکہ ان احادیث میں قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کی نہی وممانعت ان مساجد کے اندر نماز پڑھنے کی ممانعت کو مستلزم ہے، اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ وسیلہ و ذریعہ کی ممانعت مقصود بالوسیلہ کی ممنوعیت کو مستلزم ہوتی ہے۔ (یعنی کسی شئے تک پہنچنے کے ذریعے سے دور رہنے کی ہدایت کا مطلب ومقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ شئے بجائے خود ممنوع ہے اس سے دور رہا جائے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اصل مقصود اقامت نماز ہے اور مساجد کی تعمیر اس کا ایک ذریعہ، سو جب قبروں پر مساجد تعمیر کرنا ہی ممنوع اور ناجائز ہے تو ان میں نماز پڑھنا، بدرجۂ اولیٰ ممنوع اور ناجائز ہوگا۔

ایک مثال

مثال کے طور پر جب شریعت نے شراب کی خرید وفروخت سے منع کر دیا تو شراب نوشی کی ممانعت بھی اس نہی میں داخل ہے، بلکہ شراب نوشی کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہوگی کہ وہی اصل مقصود ہے اور خرید وفروخت اس کا ایک وسیلہ وذریعہ۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت کا مقصد اس میں نماز پڑھنے سے روکنا ہے، جیسے ہر گاؤں اور محلّہ میں مسجدیں تعمیر کرنے کے حکم کا منشا محض مسجدیں بنا دینا نہیں بلکہ اصل مقصد ان میں نماز قائم کرنا ہے، ایک اور مثال کے ذریعہ ہم اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

دوسری مثال

اگر کوئی شخص کسی غیر آباد علاقے اور ویرانے میں مسجد تعمیر کرے جہاں کوئی نماز پڑھنے والا نہ ہو تو ایسے شخص کو مسجد تعمیر کرنے کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ وہ میرے نزدیک گنہگار ہوگا، کیونکہ اس نے اللہ کی عنایت کردہ نعمت، مال ودولت کو بے جا صرف کر کے تضیع

مال اور ظلم کیا ہے۔

شارع کا تعمیر مساجد کا حکم دینا درحقیقت، ان میں نماز پڑھنے کا حکم دینا ہے۔ اسی طرح قبروں پر مساجد بنانے سے روکنا، درحقیقت اس میں نماز پڑھنے سے روکنا ہے، یہ بات اتنی واضح ہے کہ ادنیٰ عقل رکھنے والا بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

تینوں معانی مراد لینا راجح ہے

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے احادیث سابقہ فصل اول میں ''قبروں کو مسجد بنانے'' کے تین معنی ہو سکتے ہیں، قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، دعا و نماز کے وقت قبر کو قبلہ بنانا اور قبر پر مسجد تعمیر کرنا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''جوامع الکلم'' میں سے ہے اور مذکورہ تینوں معنی کو شامل ہے۔

امام شافعیؒ کا قول

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیک وقت تینوں معنی مراد ہیں۔ چنانچہ وہ کتاب الام (ج ۱ ص ۲۴۶) میں فرماتے ہیں ''میں اس بات کو مکروہ (حرام) سمجھتا ہوں کہ قبر پر مسجد تعمیر کی جائے یا قبر زمین کے بالکل برابر بنائی جائے، یا ایسی قبر پر نماز پڑھی جائے جو ظاہر ہو، یا وہی قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ اگر کوئی قبر کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرے تو نماز تو ہو جائے گی مگر وہ شخص ایک حرام کا مرتکب اور گنہگار ہوگا، (یعنی اگر اللہ کے لیے نماز پڑھنے کی نیت رہی ہو، ورنہ اس نماز سے اگر کہیں قبر یا صاحبِ قبر کی تعظیم رہی ہو تو یہ کفر ہے، جیسا کہ ص ۴۴ پر ملا علی قاری کے کلام میں یہ بات گزر چکی ہے) مجھے امام مالکؒ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی پھٹکار، کہ انہوں نے انبیا کی قبروں کو مسجد بنا لیا''، میں (شافعی) قبروں پر مسجد بنانے کو مکروہ (حرام) سمجھتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ کسی بھی مسلمان کی تعظیم میں غلو کیا جائے اور اس کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے اس لیے کہ مستقبل میں اس سے فتنہ و گمراہی پھیلنے کا خطرہ ہے۔''

دیکھیے امام شافعیؒ نے اپنے کلام میں حدیث کے تینوں معنی سے استدلال کیا ہے۔ یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ اس کا عام اور جامع معنی مراد لیتے ہیں۔

بعض علماء حنفیہ کا قول

محقق ملا علی قاریؒ نے بعض علماء حنفیہ کا بھی یہی قول (عام معنی مراد لینا) نقل کیا ہے۔ ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (ج۱ص۴۵۶)'' میں تحریر فرماتے ہیں ''یہود و نصاریٰ کی ملعونیت کا سبب یا تو یہ ہے کہ وہ اپنے انبیاء کی تعظیم میں ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے اور یہ شرک جلی ہے یا یہ سبب ہے کہ وہ نماز پڑھنے کے لیے ایسے مقامات کا انتخاب کرتے تھے جہاں انبیا مدفون ہیں، ان کی قبروں پر سجدہ کرتے اور قبروں کو قبلہ بنا کر نماز ادا کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح اللہ کی عبادت بھی ہو جائے گی اور انبیا کی زیادہ سے زیادہ تعظیم بھی، حالانکہ یہ بھی شرک ہے، شرک خفی، کیونکہ اس میں مخلوق کی ایسی تعظیم پائی جاتی ہے جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں سے اپنی امت کو باز رہنے کی اسی لیے تاکید فرمائی کہ اس میں طریقۂ یہود کی مشابہت پائی جاتی ہے یا وہ شرک خفی کو متضمن ہیں، ہمارے علماء حنفیہ میں سے بعض شارحین حدیث نے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تشریح فرمائی ہے۔ اسکی تائید حدیث کے اس ٹکڑے سے بھی ہوتی ہے جو بعض طرق میں موجود ہے۔ یعنی ''وَيُحَذِّرُ مَاصَنَعُوْا'' جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ان برائیوں سے ڈرا رہے ہیں جن کے یہود و نصاریٰ مرتکب ہوئے۔''

انبیا کی غایت تعظیم میں ان کی قبروں کو مسجود بنا لینا جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ سے مستبعد نہیں ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ یہ معنی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ((اِتَّخَذُوْ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) کا معنی متبادر نہیں ہے بلکہ اس جز کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اللہ کی بندگی کے لیے انبیا کی قبروں کو ان معنوں میں مسجد بنا لیا تھا جن کی تشریح گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے، وہ اس حسن ظن میں مبتلا ہو گئے کہ جہاں انبیا مدفون ہیں وہاں نماز و عبادت زیادہ خیر و برکت کا باعث ہے، لیکن یہی چیز بتدریج ان کے شرک جلی میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئی اور امتداد زمانہ کے ساتھ قبریں اصل مسجود و معبود قرار پا گئیں، جیسا کہ ملا علی قاری نے بیان فرمایا ہے اور جو لوگ بھی ان یہود و نصاریٰ کے نقوش قدم کی پیروی کریں گے وہ شرک میں گرفتار ہونے سے بچ نہیں سکتے۔

اَعَاذَ نَا اللّٰهُ مِنْهُ

فصل سوم

قبروں پر مسجد بنانا گناہ کبیرہ ہے

قبروں پر مسجد بنانے کا معنی و مطلب واضح ہو جانے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فصل اول میں ذکر شدہ احادیث پر ایک نظر ڈال لیں اور علما کے اقوال کی روشنی میں ان احادیث سے ''قبروں کو مسجد بنانے'' کا حکم معلوم کریں۔

ان احادیث کریمہ پر جو بھی غور وفکر کرے گا اس کے لیے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ ''قبروں کو مسجد بنانا'' (بشمول معانی ثلاثہ) حرام، بلکہ گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ اس فعل کے مرتکب کو ملعون اور اللہ کے نزدیک بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے اور اس طرح کی سخت وعید گناہ کبیرہ ہی پر ہو سکتی ہے۔

مذاہب اربعہ

حنبلی، شافعی، حنفی، مالکی، چاروں مذاہب کے علما کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قبروں کو مسجد بنانا حرام ہے اور بعض علما نے تصریح کی ہے کہ یہ فعل گناہ کبیرہ ہے، ہم ذیل میں مذاہب اربعہ کی تفصیل پیش کر رہے ہیں۔

شافعیہ کا مذہب

(علماء شافعیہ نے قبروں پر مسجد بنانے کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے) چنانچہ فقیہ ومحدث ابن حجر ہیثمی ''الزَّوَاجِر عَنْ اِقْتِرَافِ الْكَبَائِرِ''(۱/۱۲۰) میں کبائر کو شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کبائر ۹۳ تا ۹۸ یہ ہیں:

قبروں کو مسجد بنانا، قبروں پر چراغ جلانا، قبروں کو بت بنانا، قبروں کا طواف کرنا قبروں کو چومنا اور قبروں پر نماز پڑھنا، یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔''

ثبوت میں چند احادیث کریمہ ذکر کرنے کے بعد ص ۱۱۱ پر تنبیہ کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

''مذکورہ چھ امور کا کبائر میں شمار بعض شافعی علما کے کلام میں صراحتاً موجود ہے۔

انہوں نے یہ رائے گویا انہی احادیث کی روشنی میں قائم کی ہے، جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، قبروں کو مسجد بنانا گناہ کبیرہ ہے، یہ بات بالکل واضح ہے، کیونکہ قبور انبیا وصلحا کو مسجد بنانے والے کو ملعون اور روز قیامت عند اللہ بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے، اس سے مقصود درحقیقت ہماری تحذیر ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے ((یُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا)) یعنی قبروں کو مسجد بنانے والوں کو ملعون اور بدترین مخلوق قرار دینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اپنی امت کو اس فعل قبیح سے ڈرانا اور دور رکھنا ہے کہ وہ بھی اگر اس برائی کی مرتکب ہوئی تو لعنت الٰہی کی زد میں آ جائے گی...... اسی سبب سے ہمارے اصحاب (علما شافعیہ) اس بات کے قائل ہیں کہ انبیا وصلحا کی قبروں کی تعظیم اور ان سے حصول برکت کی نیت سے ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ اسی طرح تبرکاً وتعظیماً قبروں کے اوپر نماز پڑھنا بھی حرام ہے اور اس فعل کا گناہ کبیرہ ہونا احادیث سابقہ سے بالکل آشکارا ہے۔''

قبروں کے پاس نماز

بعض حنبلی علما نے یہ تصریح کی ہے کہ قبر کے پاس اس سے تبرک حاصل کرنے کی نیت سے نماز پڑھنا، اللہ اور اس کے رسول کی سخت مخالفت کرنا ہے اور ایک ایسا دین ایجاد کرنا ہے جس کی اللہ نے ہرگز اجازت نہیں دی ہے۔ فعل مذکورہ سے حدیثوں میں بہ صراحت وتاکید منع کیا گیا ہے اور اس کی ممنوعیت وحرمت پر علماء امت کا اجماع ہے، کیونکہ قبروں کے پاس نماز پڑھنا انہیں سجدہ گاہ بنانا اور ان پر (روضہ ومسجد) تعمیر کرنا ہی شرک کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب رہا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض علما نے لکھا ہے کہ قبروں پر مسجد بنانا مکروہ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ حرام نہیں ہے، کیونکہ کسی فعل کے مکروہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فی نفسہ جائز ہے۔ مگر اس سے بچنا اولیٰ ہے، یعنی اس کا مقام نہی تنزیہی کا ہوتا ہے۔

''جواب یہ ہے کہ قول مذکورہ میں ''مکروہ'' سے مراد خلاف اولیٰ نہیں بلکہ حرام ہے اس لیے کہ علما اسلام کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک ایسے فعل کو جائز کہیں

گے جس کے مرتکب کو آنحضرت ﷺ کا ملعون قرار دینا متواتر ثابت ہو۔"

قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کا حکم

بہرکیف قبروں پر تعمیر شدہ مسجدوں اور قبوں کو منہدم کر دینا واجب ہے، کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ ضرر رساں ہیں۔ ان کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر تعمیر و بناء سے منع فرمایا ہے اور اونچی قبروں کو برابر کر دینے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح قبروں پر سے قندیل اور چراغ کو بھی پھینک دینا واجب ہے اور ان پر چراغ بتی کی نذر ماننا غلط اور ناجائز ہے۔ انتهى كلام الهيتمي.

علامہ ہیتمیؒ کی اس حکیمانہ فاضلانہ بحث کو علامہ آلوسی نے بھی تفسیر روح المعانی (ج ۵ ص ۳۱) میں نقل کیا ہے اور اس سے اتفاق کیا ہے۔

ہیتمیؒ کے کلام میں "بعض علما" سے اشارہ غالباً امام شافعیؒ کی طرف ہے۔ چنانچہ ص ۱۵ پر امام موصوف کا یہ قول گزر چکا ہے کہ:

وَاَكْرَهُ اَنْ يُبْنٰى عَلَى الْقَبْرِ مَسْجِدًا...... (الخ)

"میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ قبر پر مسجد بنائی جائے۔"

بے شک امام شافعیؒ کے متبعین کا مسلک یہی ہے کہ قبر پر مسجد بنانا مکروہ ہے، جیسا کہ "تہذیب" اور اس کی شرح "مجموع" میں مذکور ہے، اور حیرت زا امر یہ ہے کہ ان کتابوں میں کراہت پر استدلال بعض انہی احادیث سے کیا گیا ہے جو فصل اول میں بیان کی گئی ہیں، حالانکہ وہ احادیث بِنَاءِ مَسْجِدٍ عَلَى الْقَبْرِ کی حرمت اور اس کے فاعل کو ملعون قرار دینے میں قطعی اور صریح ہیں، اگر شافعیہ کی مراد کراہت سے کراہت تحریمی ہوتی تو معاملہ قریب تھا، لیکن ان کے نزدیک یہاں کراہت تنزیہی مراد ہے، اس لیے ان کا مذکورہ احادیث سے استدلال غیر معقول اور بے جوڑ ہے۔

لفظ کراہت کا شرعی معنی اور امام شافعیؒ کی مراد

امام شافعیؒ کے کلام میں لفظ "کراہت" کو کراہت تحریمی پر محمول کرنا میرے نزدیک مستبعد نہیں بلکہ متعین ہے کیونکہ یہی اس کا شرعی معنی ہے، قرآن حکیم اور حدیث

شریف میں اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور امام شافعیؒ قرآن حکیم کے اسلوب سے بے حد متاثر ہیں، اس لیے ان کے کلام میں جب کوئی ایسا لفظ ملے جس کا قرآن میں کوئی خاص معنی ہو تو اسے اسی معنی قرآنی پر محمول کرنا لازم ہے، متاخرین کا وضع کردہ اصطلاحی معنی مراد لینا ہرگز درست نہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ﴾ [۴۹/الحجرات:۷]

''کفر، فسوق اور عصیان کو مکروہ قرار دیا۔''

سب جانتے ہیں کہ یہ امور محض خلاف اولیٰ نہیں بلکہ قطعاً حرام ہیں، پس معلوم ہوا کہ مکروہ کا معنی حرام ہے، امام شافعیؒ کے کلام میں بھی ''اکرہ'' (میں مکروہ سمجھتا ہوں) سے یہی حرمت کا معنی مراد ہے۔ (واللہ اعلم)

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام موصوف نے آگے یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی مگر وہ سیئ کا مرتکب ہوگا اور اسلوب قرآن میں ''سیئ'' بمعنی ''حرام'' ہے۔ چنانچہ سورہ اسراء میں اللہ پاک نے قتل اولاد ، زنا اور قتل نفس وغیرہ افعال کو جو بلاشبہ حرام ہیں، مکروہ سیئ کہا ہے:

﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ [۱۷/الاسراء:۳۸]

''ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے۔''

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ عزوجل نے تمہارے لیے قیل وقال، کثرتِ سوال اور اضاعتِ مال کو مکروہ قرار دیا ہے، اس حدیث میں بھی ''مکروہ'' بمعنی ''حرام'' ہے۔

سلف لفظ کراہت کو اس معنی میں استعمال کرتے تھے۔ جس معنی میں وہ قرآن و حدیث میں مستعمل ہے۔ متأخرین نے البتہ کراہیت کو ''لیس بحرام'' اور خلاف اولیٰ کے معنی میں استعمال کیا ہے اور پھر کچھ لوگوں نے متقدمین سلف کے کلام کو جدید اصطلاحی معنی پر محمول کرنے کی غلطی کی، اس سلسلہ کی قبیح ترین غلطی یہ ہے کہ کلام الٰہی اور کلام نبوی میں بھی لفظ ''کراہت'' اور ''لاینبغی'' کو خلاف اولیٰ کے معنی میں لے لیا گیا۔

قبروں کو مسجد بنانے سے متعلق امام شافعیؒ کے کلام میں کراہت سے مراد حرمت ہی ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام صاحب کا اصول یہ ہے کہ نہی کی اصل تحریم ہے۔ مگر جہاں کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو کہ یہاں نہی حرمت کے بجائے دوسرے معنی کے لیے ہے، وہاں دوسرا معنی مراد ہوگا، انہوں نے اپنی کتاب "الرسالہ" (ص۳۴۳) اور "جماع العلم" (ص۱۲۵) میں اس اصول کی تصریح فرمائی ہے اور مسئلہ زیر بحث کی جس نے بھی دلائل کے ساتھ تحقیق کی ہوگی اسے یہ معلوم ہوگا کہ یہاں کوئی ایسا قرینہ صارفہ موجود نہیں ہے جس کی بنا پر احادیث سابقہ میں وارد نہی سے ان کے اصلی معنی تحریم کے بجائے کوئی دوسرا معنی مراد لیا جائے، بنابریں میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا مذہب تحریم ہی ہے، (یعنی ان کے نزدیک قبروں کو مسجدیں بنانا، بشمول معانی ثلاثہ حرام ہے) خصوصاً اس وجہ سے کہ امام صاحب نے حدیث ((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) ذکر کرنے کے بعد اس فعل کے مکروہ ہونے کی صراحت فرمائی ہے (اور حدیث کا لب ولہجہ صاف بتلا رہا ہے کہ یہ فعل حرام ہے) اس لیے حافظ عراقی جو شافعی المذہب ہیں، اگر بناء مسجد علی القبر کے حرام ہونے کی صراحت فرمائیں تو اس پر چنداں تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ یہی ان کے امام متبوع کا مذہب ہے۔

ضروری تنبیہ

اہل علم پر واجب ہے کہ وہ یہ بات نگاہ میں رکھیں کہ الفاظ عربیہ کے جدید اور متاخرین کے وضع کردہ معانی ان الفاظ کے قدیم (معروف عندالعرب) معانی سے بہت مختلف ہیں۔ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے مفردات ومرکبات کی تفسیر ان ہی معانی ومفاہیم کے حدود میں کی جائے جو نزول وحی کے وقت عندالعرب معروف ومستعمل تھے اور متاخرین کے وضع کردہ اصطلاحی معانی ہرگز مراد نہ لیے جائیں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ تفسیر غلط ہو جائے گی اور مفسر غیر شعوری طور پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف ایسی بات منسوب کر دے گا جو اللہ اور رسول نے کہی نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں کلام الٰہی سے لفظ "کراہت" کی مثال گزر چکی ہے، دوسری مثال کلام نبوی سے ملاحظہ ہو، وہ ہے لفظ "سنت"

سنت کا معنی

سنت کا لغوی معنی طریقہ اور راستہ ہے، جو نبی ﷺ کے ہر طریقہ اور قول و فعل کو شامل ہے وہ فرض ہو یا نفل، لیکن اصطلاحاً سنت صرف اس طریقۂ نبوی کو کہتے ہیں جو فرض نہ ہو۔ اس لیے اگر کوئی بعض احادیث مثلاً عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ ...... يَا مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ وغیرہ میں وارد لفظ سنت کی تفسیر (لیس بفرض) سے کرے تو یہ تفسیر و تشریح غلط ہوگی۔ فتنبه.

حنفیہ کا مذہب

حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ قبر کو یا قبر پر مسجد بنانا حرام ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام محمدؒ (کتاب الآثار ص ۴۵) میں فرماتے ہیں:

> ''ہم یہ جائز نہیں سمجھتے کہ قبر سے جتنی مٹی نکلے اس سے زیادہ اس پر ڈالی جائے، اسی طرح قبر کو پختہ بنانا، اس کو لیپنا پوتنا یا اس کے پاس مسجد بنانا ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔''

یاد رہے کہ ائمہ حنفیہ، لفظ کراہت جب مطلق استعمال کرتے ہیں تو اس سے کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے، علماء حنفیہ میں ابن الملک نے ''قبروں کو مسجد بنانے'' کو (بشمول معانی ثلاثہ) صراحتاً حرام کہا ہے۔

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کا مذہب بھی اس مسئلہ میں تحریم ہی ہے، چنانچہ امام قرطبی مالکی اپنی تفسیر میں (فصل اول کی) پانچویں حدیث (حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا) کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''ہمارے علما نے فرمایا کہ انبیا اور علما کی قبروں کو مسجد بنانا مسلمانوں کیلیے حرام ہے۔ [تفسیر قرطبی: ۱۰/ ۳۸]

حنبلیہ کا مذہب

اس مسئلہ میں علماء حنبلیہ بھی تحریم ہی کے قائل ہیں جیسا کہ ''شرح منتھی'' وغیرہ کتب حنبلیہ میں مسطور ہے، بلکہ بعض علماء حنابلہ نے تو یہ بھی تصریح کی ہے کہ قبروں پر تعمیر

شدہ مساجد کے اندر نماز باطل ہے اور ایسی مسجدوں کو مسمار کر دینا واجب ہے۔

مسجد ضرار اور مقاماتِ معصیت

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۲/۲۲) میں غزوۂ تبوک سے مستفاد مسائل وفوائد کو بیان کرتے ہوئے مسجد ضرار کا واقعہ ذکر کیا ہے، یہ مسجد منافقین نے تعمیر کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نذر آتش کر دیا، ابن القیمؒ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ غزوۂ تبوک سے حاصل شدہ مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ ان تمام مکانات کو نذر آتش اور برباد کر دینا چاہیے جہاں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور معصیت کا ارتکاب کیا جاتا ہو، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار کو خاکستر اور برباد کر دینے کا حکم فرمایا تھا۔ حالانکہ بظاہر وہ مسجد تھی، اس میں نماز پڑھی جاتی تھی اور اللہ پاک کا ذکر کیا جاتا تھا، لیکن حقیقت میں اس کی تاسیس وتعمیر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور ان کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے کی گئی تھی اور وہ منافقانہ کارروائیوں کا مرکز تھی، لہٰذا ہر وہ مکان جس کی تعمیر ان اغراض فاسدہ اور برائی کے لیے کی گئی ہو امام وقت [1] پر واجب ہے کہ اس کو معطل کر دے، اسے مسمار کرا دے یا نذر آتش کرا دے یا اس میں ایسی مناسب تبدیلی پیدا کر دے کہ وہ معصیت اور برائی کی جگہ نہ رہ جائے بہر حال جب مسجد ضرار کا یہ حکم رہا تو شرک کے مظاہر، مشاہد ومقابر، مزارات اور خانقاہیں جن کے مجاور قبروں میں مدفون صلحا کو ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [۲/البقرۃ:۱۶۵] خدا کا مثیل وہمسر قرار دینے کی دعوت دیتے ہیں، ضرور ہے کہ ان سب کو زمین بوس کر دیا جائے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ قحبہ خانے، میخانے (نائٹ کلبیں، رقص گاہیں، سینما، تھیٹر وغیرہ وغیرہ) غرض فواحش ومنکرات کے تمام اداروں کو برباد کر دیا جائے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پوری بستی کو جس میں شراب فروشی ہو رہی تھی آگ لگوا دی تھی اور رویشد ثقفی کے شراب خانے کو نذر آتش کر

---

[1] اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ امام وقت یا اس کے نائب کے علاوہ کسی پر ایسی مسجد کا گرانا واجب نہیں، یہی صحیح غور وفکر کا تقاضا ہے، کیونکہ غیر امام اگر اس کو گرانے پر آمادہ ہو جائے تو اس سے مسلمانوں کے اندر نت نئے فتنے اور فسادات کے سر اٹھانے کا خطرہ ہے۔ جو ممکن ہے پیش نظر مصلحت [illegible] ضرر رساں ہو۔

دیا تھا۔ رویشد کو آپ ''فویسق'' فسق انگیز کہتے تھے۔ [1]

اسی طرح جب سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ اپنے ''محل'' میں رہنے لگے اور رعایا کے معاملات سے ان کی دلچسپی کم ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس محل (کے پھاٹک) کو نذر آتش کر دیا [2] اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نمازوں کی جماعت اور جمعہ میں حاضری ترک کرنے والوں کو آگ میں پھونک دینے کا ارادہ فرمایا تھا۔ [3] لیکن جیسا کہ آپ ہی نے بیان فرمایا ہے عورتوں اور بچوں کا خیال کر کے جمعہ و جماعت میں حاضری ان پر واجب نہیں ہے، اس ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔''

مسجد اور قبر یکجا نہیں ہو سکتی

واقعات غزوۂ تبوک سے مستفاد مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو وقف نیکی اور قربت کی نیت سے نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ مسجد ضرار کا وقف درست نہیں ہوا، لہٰذا ہر وہ مسجد منہدم کر دی جائے گی جو قبر پر تعمیر کی گئی ہو (یعنی قبر اس کے اندر ظاہر ہو) اسی طرح اس میت کو جو کسی مسجد میں دفن کی گئی ہو نکال کر عام قبرستان میں دفن کر دیا جائے گا، اس مسئلہ کو امام احمدؒ وغیرہ نے وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے، الغرض دین اسلام میں مسجد اور قبر یکجا نہیں ہو سکتی، بلکہ جو بعد میں بنائی جائے اسے روک دیا جائے گا اور پہلی برقرار رہے گی اور اگر قبر اور اس پر مسجد دونوں ساتھ ہی بنائی جائیں تو یہ بھی جائز نہیں ہے، نہ یہ وقف صحیح ہوگا نہ اس مسجد کے اندر نماز پڑھنا درست ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایسے شخص کو ملعون قرار دیا ہے جو قبر کو مسجد بنائے، یا قبر پر چراغ بتی کرے [4] یہ ہے وہ دین اسلام جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے..... اس اسلام کی غربت کا

---

[1] کتاب الکنی للدولابی (۱/۱۸۹) بہ سند صحیح عن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، الجامع الکبیر (۳/۲۰۴/۱) نقلا عن عبدالرزاق، کتاب الاموال لابی عبید (۱۰۳) عن ابن عمر اس کی سند بھی صحیح ہے۔

[2] کتاب الزہد والرقائق لعبداللہ بن المبارک (۵۱۳، ۵۱۸) ومسند احمد (۳۹۰) بسند رجالہ ثقات۔

[3] متفق علیہ عن ابی ہریرۃ۔ [4] اشارہ عبداللہ بن عباس کی حدیث کی طرف ہے، جسے ابوداؤد وغیرہ نے بایں الفاظ روایت کیا ہے: ''لَعَنَ اللّٰهُ زُوَّرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ'' یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے لیکن آخری خط کشیدہ حصہ منکر ہے۔ یہ سند صحیح ثابت نہیں جن متقدمین نے اس (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جو حال ہے تمہارے سامنے ہے۔ ''عیاں راچہ بیان'' انتھی کلام ابن القیم.

مذاہب اربعہ کا اتفاق

علماء مذاہب کی مسطورہ بالا تصریحات سے یہ حقیقت واشگاف ہوگئی کہ چاروں مذہب کے علما احادیث سابقہ کے مفاد یعنی قبروں کو مسجد بنانے کی حرمت پر متفق ہیں، علما کے اقوال اور ان کے مواضع اختلاف واتفاق کی سب سے زیادہ واقفیت رکھنے والے شیخ الاسلامؒ ابن تیمیہؒ نے بھی اس پر علما کا اتفاق نقل فرمایا ہے، ان سے پوچھا گیا کیا اس مسجد کے اندر نماز جائز ہے جس میں قبر ہو؟ اور کیا اس مسجد میں لوگ پنج وقتہ نماز باجماعت اور جمعہ کے لیے جمع ہو سکتے ہیں؟ قبر کو زمین کے برابر کر دیا جائے؟ یا اس کو دیوار سے گھیر دیا جائے؟ تو شیخ الاسلام نے جواب دیا۔ الحمدللہ، تمام ائمہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ قبر پر مسجد بنانا حرام ہے، کیونکہ ارشاد نبوی ہے ''جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں وہ قبروں کو مسجد بنالیا کرتے تھے، خبردار تم ایسا نہ کرنا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں'' شیخ الاسلام فرماتے ہیں: ''ائمہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ کسی میت کو مسجد میں دفن کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اگر مسجد قبر سے پہلے ہو تو قبر کو تبدیل کر دیا جائے، یا قبر اگر نئی ہو تو نعش کو نکال کر عام قبرستان میں دفن کر دیا جائے اور اگر مسجد بعد میں بنائی گئی ہو تو یا مسجد ختم کر دی جائے یا پھر قبر کی صورت زائل کر دی جائے، بہر کیف وہ مسجد جس میں قبر ہو اس میں فرض ونفل کوئی نماز جائز نہیں ہے، یہ شرعاً بالکل ممنوع ہے۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہ (۱/۱۰۷، ۲/۱۹۲)

دار الافتاء مصر نے شیخ الاسلام کے فتوے کو بنیاد بنا کر ایک فتویٰ صادر کیا ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ میت کو کسی مسجد میں دفن کرنا ناجائز ہے۔ (مجلة الازہر ج ۱۱ ص ۵۰۱)

شیخ الاسلام ''الاختیارات العلمیہ'' (ص ۵۲) میں فرماتے ہیں ''قبروں پر چراغ

گزشتہ سے پیوستہ: کی تضعیف کی ہے ان میں ایک امام مسلم بھی ہیں، چنانچہ وہ ''کتاب التفصیل'' میں فرماتے ہیں ''یہ حدیث ثابت نہیں، ابوصالح باذام سے حدیث روایت کرنے سے لوگوں نے پرہیز کیا ہے۔ اس کی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لقاء وسماع ثابت نہیں ہے'' (نقلہ ابن رجب فی ''الفتح'' کمافی الکواکب (۱/۸۲/۶۵) اس حدیث کے ضعف کو میں نے ''الاحادیث الضعیفة والموضوعة و اثرها السیئ فی الامة'' (۲۲۵) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جلانا، قبروں پر یا قبروں کے درمیان مسجد بنانا یہ سب حرام ہیں، ان کا ازالہ ضروری ہے اس مسئلہ میں مشاہیر علما امت کے درمیان کسی اختلاف کا مجھے علم نہیں۔''

یہ قول ابن عروہ حنبلی نے ''الکواکب الدراری'' (۱/۲۴۴/۲) میں نقل کیا ہے اور اس سے اتفاق کیا ہے۔

الحاصل! ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمام علما احادیث کریمہ کے مدلول و مفاد یعنی قبروں کو مسجد بنانے کی حرمت پر متفق ہیں۔ پس ہم مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ وہ علمائے امت کی مخالفت اور ان کی راہ سے ہرگز انحراف نہ کریں۔ ورنہ خوف ہے کہ وہ بھی اللہ عزوجل کی اس وعید شدید کی زد میں آ جائیں گے۔ یعنی:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ [۴/النسآء:۱۱۵]

''اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی روش پر چلے، درآں حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہے، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود گیا، ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔''

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

فصل چہارم

شکوک وشبہات اور ان کے جوابات

کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایک طرف احادیث متقدمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبروں پر مسجد بنانا شرعاً حرام ہے، تو دوسری طرف ایسے امور وشبہات بھی بہت ہیں جو اس کے خلاف دلالت کرتے ہیں۔

پہلا شبہ

سورۂ کہف میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ [۱۸/ الکہف: ۲۱]

''جولوگ ان کے معاملات پر غالب تھے انہوں نے کہا ہم تو ان (اصحاب کہف) پر ایک مسجد بنائیں گے۔''

یہ آیت کریمہ قبروں پر مسجد بنانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ کہنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو، نصاریٰ تھے، جیسا کہ کتب تفسیر میں مسطور ہے، معلوم ہوا کہ قبر پر مسجد بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا، کیونکہ اللہ نے ان کا یہ قول بلا رد و انکار بیان فرمایا ہے اور اصول یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگلی امتوں کی شریعتوں کا کوئی حکم بلا رد وکد کے بیان فرمائیں تو وہ ہمارے لیے بھی شریعت یعنی جائز اور مشروع ہے۔

دوسرا شبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف مسجد نبوی ہی میں ہے، اگر مسجد میں قبر بنانا جائز نہ ہوتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو مسجد میں دفن نہ کرتے۔

تیسرا شبہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد خیف میں نماز پڑھی ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمایا ہے کہ اس میں ستر انبیا کی قبریں ہیں۔

چوتھا شبہ

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیا کی قبریں مسجد حرام کے اندر مقام حجر میں ہیں، بایں ہمہ مسجد حرام ان مسجدوں میں سب سے افضل ہے جن میں نماز ادا کرنے کا خاص قصد و اہتمام کیا جاتا ہے۔

پانچواں شبہ

حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی قبر پر مسجد تعمیر کی تھی، ملاحظہ ہو، اَلْاِسْتِيْعَاب لِاِبْنِ عَبْدِالْبَرِّ۔

چھٹا شبہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت و حرمت کی علت قبر پرستی اور مردہ پرستی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ تھا اور اب مومنین کے دلوں میں توحید راسخ ہو جانے کے بعد یہ خطرہ ٹل گیا ہے، اس لیے سابقہ ممانعت بھی زائل اور منسوخ ہو گئی۔

ہم آئندہ صفحات میں ان اعتراضات اور شکوک و شبہات کے جوابات عرض کرتے ہیں۔ و باللہ التوفیق.

پہلے شبہ کا جواب

پہلے شبہ کے تین جواب ہیں:

پہلا جواب: یہ ہے کہ علم اصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شریعت ماقبل اسلام، اگلی امتوں کی شریعت ہمارے لیے شریعت نہیں ہے، اس کے دلائل کثرت کے ساتھ موجود ہیں، ملاحظہ ہو مطولات کتب، احکام الاحکام لابن حزم وغیرہ۔ ان میں سے ایک دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِیْ ..... وَكَانَ النَّبِیُّ يُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ كَافَّةً .)) (بخاری، مسلم)

''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملی تھیں، ہر

نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں پوری دنیا کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''

سورۂ کہف کی مذکورہ آیت کریمہ اگر **بناء مسجد علی القبر** پر دلالت بھی کرتی ہو تو یہ اگلی امت کی شریعت ہے، جو منسوخ ہو چکی ہے، اس آیت کے مدلول و مفاد پر عمل کرنے کا ہم سے کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا ہمارے لیے قبر پر مسجد بنانا جائز اور مشروع نہیں۔

دوسرا جواب: اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ انہیں لوگوں کا قول صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگلی امتوں کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے، لیکن یہ اصول ان لوگوں کے نزدیک بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ''ہماری شریعت میں اس کے خلاف کچھ وارد نہ ہو'' اور مسئلہ زیر بحث میں یہ شرط مفقود ہے، کیونکہ قبر پر مسجد بنانے کی ممانعت متواتر احادیث سے ثابت ہے، یہ اس بات کی محکم دلیل ہے کہ مذکورہ آیت کا مدلول و مفاد ہمارے لیے شریعت نہیں۔

تیسرا جواب: ہم یہ نہیں مانتے کہ سورۂ کہف کی مذکورہ آیت کریمہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگلی شریعت (عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت) میں قبر پر مسجد اور عبادت خانہ تعمیر کرنا جائز تھا، مذکورہ آیت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ہم اصحاب کہف پر مسجد تعمیر کریں گے، اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ لوگ مومن تھے اور اگر ان کا مومن ہونا بالفرض تسلیم کر لیا جائے تو یہ ثابت نہیں کہ وہ لوگ صالح اور نبی مرسل (عیسیٰ علیہ السلام) کی شریعت کے پابند تھے، بلکہ بعض دلائل اس کے خلاف ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن رجب حنبلی، حدیث ((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، انبیا کی قبروں کو مسجد بنانے کی قباحت و ممانعت اس حدیث کے علاوہ قرآن سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ اصحاب کہف کے بارے میں باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا۝﴾ [۱۸/ الکہف:۲۱]

اس آیت میں قبروں پر عبادت خانہ تعمیر کرنے کو اہل غلبہ واقتدار کا فعل قرار دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس اقدام کی سند شریعت کا کوئی حکم نہ تھا، بلکہ محض غلبہ و اقتدار کے زعم میں اپنی خواہش کے مطابق ایسا کرنا چاہتے تھے، یہ فعل کچھ ان اہل علم وفضل کا نہیں تھا جو اپنے رسول پر نازل شدہ ہدایت کے حامی و مددگار ہوتے ہیں'' (فتح الباری ۶۵/۲۸۰ من الکواکب الدراری)

شیخ علی بن عروہ مختصر الکواکب الدراری (۱۰/ ۲/۲۰۷) میں حافظ ابن کثیرؒ کی متابعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔''اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر نے دو قول نقل کئے ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ یہ کہنے والے کہ''ہم ان کی قبر پر مسجد تعمیر کریں گے، مومن و مسلم تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مشرک تھے۔ واللہ اعلم'' بہر حال یہ تو ظاہر ہے کہ وہ اصحاب اثر ورسوخ تھے، لیکن وہ لوگ یہ کہنے میں حق بجانب تھے یہ محل نظر ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے ''اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیا'' اس ارشاد سے آپ ﷺ کی غرض امت کو اس فعل قبیح سے ڈرانا تھا۔ (اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود ونصاری کی شریعتوں میں بھی قبروں کو مسجد بنانا جائز نہیں تھا، ورنہ رسول اللہ ﷺ بدیں سبب انہیں ملعون قرار نہ دیتے)

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانۂ خلافت میں عراق کے کسی علاقہ میں دانیال نبی کی قبر کی خبر ملی تو اسے لوگوں سے بالکل پوشیدہ رکھنے اور اس کتاب کو بھی دفن کر دینے کا حکم دیا جو ان کی لاش کے ساتھ ملی تھی، جس میں کچھ حوادث کی پیش گوئی رقم تھی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے بناء مسجد علی القبر کے جواز پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

علامہ آلوسی کی تحقیق

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی (۵/ ۳۱، ۳۲) میں تحریر فرماتے ہیں''اس آیت میں علما کی قبروں پر مشاہد و مزارات تعمیر کرنے، ان پر مسجد بنانے اور ان میں نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ جن لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے، ان میں شہاب خفاجی بھی ہیں،

انہوں نے یہ استدلال اپنے حواشی علی البیضاوی میں ذکر کیا ہے، لیکن یہ استدلال بالکل غلط باطل اور فاسد ہے'' پھر علامہ آلوسی نے احادیث متقدمہ میں سے بعض کو ذکر کرنے کے بعد ابن حجر ہیتمی کا وہ کلام نقل کیا ہے جسے ہم ص ۵۴، ۵۵ پر نقل کر آئے ہیں اور اس سے اتفاق کیا ہے، نیز علامہ آلوسی نے اپنی کتاب ''شرح المنہاج'' میں حافظ ہیتمی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''علما کی ایک جماعت نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ قرافہ مصر میں قبروں پر جو عمارتیں ہیں سب منہدم کر دی جائیں۔ حتیٰ کہ امام شافعیؒ کے مزار کو بھی گرا دیا جائے جو کسی عقیدت مند بادشاہ نے تعمیر کیا ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی تمام عمارتوں کو مسمار کر دے اور اگر شر وفساد کا خطرہ ہو تو پھر یہ امام وقت کی اور سلطان کی ذمہ داری ہے۔

یہ باتیں ابن الرفعہ کی ''کتاب الصلح'' سے ماخوذ ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

علامہ آلوسی آگے فرماتے ہیں: کہا جا سکتا ہے کہ سورہ کہف کی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبروں پر مسجد بنانا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور شرائع سابقہ سے استدلال اور ان کے کسی حکم کو حجت کے طور پر پیش کرنا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اسے جب یاد آئے پڑھ لے'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استدلال یہ آیت کریمہ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ○﴾ [۲۰/ طٰہٰ:۱۴] تلاوت فرمائی، حالانکہ یہ حکم موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا، قرآن میں حکایۃً ذکر کیا گیا ہے۔

''اسی طرح امام ابو یوسفؒ نے مرد اور عورت کے درمیان قصاص جاری ہونے پر اور امام کرخی نے غلام اور آزاد، ذمی اور مسلمان کے درمیان قصاص جاری ہونے پر آیت کریمہ ﴿كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ [۵/ المآئدۃ:۴۵] سے استدلال کیا ہے، حالانکہ اس میں بنو اسرائیل کی شریعت کو حکایۃً بیان کیا گیا ہے، ان آیتوں سے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استدلال فرمایا ہے تو سورۂ کہف کی آیت زیر بحث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔''

''اس اشکال واعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ اگلی امتوں کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے، لیکن یہ علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس

شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اللہ نے اس شریعت اور اس کے کسی حکم کو بلا انکار بیان فرمایا ہو، یاد رہے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اللہ عزوجل کے انکار کے مثل ہے (حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرام کرنا اللہ کا حرام کرنا ہے) اور آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مسجد بنانے والوں کو ملعون قرار دیا ہے، علاوہ ازیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شرائع ماقبل اسلام میں قبروں پر مسجد بنانا روا تھا، ایسا رہا ہوتا تو رحمۃ اللعالمین یہود ونصاریٰ کو اسی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنے کی بنا پر ملعون قرار نہ دیتے، پھر یہ آیت ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾[١٨/ الكهف:٢١] ان آیات مذکورہ کی طرح نہیں ہے جن سے ائمہ نے بعض مسائل میں استدلال کیا ہے، اس آیت میں بس ایک فریق کے اصحاب کہف کی قبروں پر مسجد تعمیر کرنے کے قول اور عزم کو حکایۃً بیان کیا گیا ہے، اس میں اس فریق کی مدح وتحسین کا پہلو ہے نہ ان کی اقتدا کرنے کی ترغیب، اس لیے جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ ان میں کوئی معصوم بھی تھا، اس وقت تک ان کا کسی کام کا عزم وارادہ تو کجا اسے عملی جامہ پہنا دینا بھی اس کام کی مشروعیت کی دلیل نہیں ہوسکتا، نیز ان کے فعل کے قابل توجہ نہ ہونے کا ایک قوی سبب یہ بھی ہے کہ وہ (جیسا کہ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے) امراو حکام تھے، جو مذہب کی پابندی سے کم اور دنیاوی نام ونمود کے کاموں سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔''

''بہرحال اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اصحاب کہف کے بارے میں پہلی جماعت مومنین کی جماعت تھی جو قبروں پر عبادت گاہ بنانے کی حرمت سے واقف تھی، اس لیے اس نے غار کے دروازے پر دیوار چن دینے اور دروازے کو بند کر دینے اور اصحاب کہف سے کوئی تعرض نہ کرنے کا مشورہ دیا، مگر دوسری جماعت نے جو امراو حکام پر مشتمل تھی اس مشورہ کو قبول نہیں کیا بلکہ اور جوش میں آ گئی اور قسم کھا کر کہنے لگی کہ ہم اصحاب کہف کی قبروں پر ضرور مسجد تعمیر کریں گے۔''

اگر دوسری جماعت کے ساتھ کسی کو حسن ظن ہی ہو تو وہ اس کے قول ...... ''ہم اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے'' کی یہ توجیہ کر سکتا ہے کہ وہ اصحاب کہف کی قبروں پر مسجد

تعمیر کرنے کی وہ صورت اختیار کرنا نہیں چاہتی تھی جو ممنوع ہے اور جس کے فاعل کو ملعون کہا گیا ہے بلکہ وہ قبروں کے قریب ایک مسجد بنانا چاہتی تھی، چنانچہ سدی اور وہب کی روایت میں یہی دوسری صورت صراحتاً مذکور ہے اور یہ ممنوع نہیں ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوتی کہ اصحاب کہف کی نسبت سے وہ مسجد، مسجد کہف کہلاتی، جس طرح مسجد نبوی قبر نبوی کی نسبت، مسجد نبوی کہلاتی ہے۔ [1]

گویا اس دوسری جماعت نے پہلی جماعت کے قول اُبْنُوا عَلَيْهِمْ کے مقابلہ اور جواب میں بطور مشاکلہ یہ کہہ دیا کہ ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا﴾ [۱۸/ الکہف:۲۱] ورنہ اس کی اصل منشا یہ تھی کہ [لَنَتَّخِذَنَّ قَرِيبًا مِّنْهُمْ مَّسْجِدًا]

''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ اس پہاڑی پر جس میں یہ غار تھا مسجد بنانا چاہتے تھے، اس سلسلہ میں حضرت مجاہدؒ کی ایک روایت یہی ہے کہ بادشاہ وقت نے اصحاب کہف کو غار میں چھوڑ دیا اور پہاڑی کے اوپر ان کی یادگار میں ایک مسجد بنوادی، یہ تاویل آیت کے ظاہر لفظ سے قریب تر اور زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔''

''پھر مذکورہ سوال و جواب کی ضرورت اس وقت ہے جب یہ قول اختیار کیا جائے کہ اصحاب کہف، لوگوں کے ان پر مطلع ہونے کے کچھ مدت بعد وفات پا گئے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ غار میں آ کر پہلے کی طرح سو گئے، یعنی وہ زندہ ہیں مردہ نہیں تو آیت کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا۔'' [2]

''الغرض جس کے اندر بھی کچھ رشد اور حق پسندی کا جذبہ ہوگا، وہ اس آیت کے سہارے خواہ مخواہ احادیث صحیحہ اور آثار صریحہ کے خلاف موقف اختیار کرنے کی جسارت

---

[1] قبر نبوی کی نسبت سے ''مسجد نبوی'' نہیں کہا جاتا، بلکہ اس لیے کہ نبی ﷺ نے اس کی تعمیر فرمائی ہے، اسی واسطے آپ کی حیات مبارکہ میں بھی اسے ''مسجد نبوی'' کہا جاتا تھا۔ (مترجم)

[2] علامہ آلوسی نے روح المعانی (۵/۳۱) میں حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ غار پر مسجد اس لیے بنائی گئی تھی کہ اصحاب کہف بیدار ہوں تو اس میں نماز پڑھیں'' اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ''اس قول کی بنیاد یہ ہے کہ اصحاب کہف غار میں جانے کے بعد فوت نہیں ہوئے، بلکہ پہلے کی طرح سو گئے، بعض کا خیال یہ ہے کہ اصحاب کہف یونہی سوئے رہیں گے یہاں تک کہ امام مہدی آئیں گے، تو وہ بیدار ہوں گے اور ان کی مدد کریں گے، لیکن یہ سب باتیں بالکل بے سند اور خرافاتی قسم کی ہیں۔''

نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے پر استدلال کرنا انتہائی درجہ کی جہالت اور ضلالت ہے، اس کے باوجود بندۂ شکم اور نام نہاد مشائخ جہلا کی ان حرکتوں کو مباح قرار دیئے ہوئے ہیں جو وہ صلحا کی قبروں کے ساتھ روا رکھتے ہیں، یعنی قبروں کو اونچی کرنا، ان کو سنگ وخشت سے پختہ بنانا، ان پر جھاڑ اور فانوس لٹکانا، قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، ان کو چومنا، ان پر عرس لگانا، وغیرہ اور دلیل میں یہی آیت سورۂ کہف اور واقعات اصحاب کہف کے سلسلہ میں وارد بعض ان روایات کو پیش کرتے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے اصحاب کہف کو ساگوان کی لکڑی کے تابوت میں محفوظ کر دیا تھا اور ان کی قبروں پر سالانہ عرس کا اہتمام کرتا تھا، مگر یہ سب خرافاتی باتیں ہیں اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں ڈھٹائی ہے، اور ایک ایسا دین ایجاد کر لینا ہے جس کی اللہ نے کوئی اجازت نہیں دی ہے۔"

"معرفت حق کیلیے بس یہی کافی ہے کہ تم دیکھو کہ روئے زمین پر سب سے افضل قبر، یعنی قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا رویہ کیا تھا، قبر کی زیارت اور اس پر درود وسلام کے خصوص میں ان کا کیا طریقہ تھا؟ اور پھر دیکھو کہ صحابۂ کرام کے طرز عمل اور ان قبوریوں کے طریقے میں کتنا فرق ہے؟ صحابہ کا عمل کیا تھا اور یہ قبوری کیا کر رہے ہیں؟

"بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا" انتهى كلام الآلوسي۔

ایک معاصر کی کج بحثی اور اس کا جواب

سورۂ کہف کی اسی آیت زیر بحث سے ایک معاصر [1] نے قبروں پر مسجد بنانے کے مزعوم جواز بلکہ استحباب پر استدلال کیا ہے۔ تقریر استدلال کچھ نئی اور ان تقریروں سے مختلف ہے جن کی تفصیل اور تردید گزشتہ اوراق میں بیان کی گئی۔ چنانچہ یہ صاحب فرماتے

---

[1] یعنی شیخ ابو الفیض احمد الصدیق الغماری، یہ ترک تقلید اور عمل بالحدیث کے مدعی ہیں مگر درحقیقت پکے بدعتی اور موحدین کے دشمن ہیں۔ ان کے دعوائے اجتہاد کا مقصد شیعی مجتہدین کی طرح من مانی کرنا اور بدعتوں کی حمایت کرنا ہے۔ نصوص کتاب وسنت، احادیث صحیحہ اور اجماع امت کو پس پشت ڈال دینا اور متشابہات کا سہارا لینا ان کی خصوصیت ہے۔ ان کی ایک کتاب ہے "إِحْيَاءُ الْمَقْبُوْرِ مِنْ أَدِلَّةِ اسْتِحْبَابِ بِنَاءِ الْمَسَاجِدِ عَلَى الْقُبُوْرِ" یہ کتاب، پناہ بخدا! بناء مساجد علی القبور کی ممانعت وتحریم کے سلسلے کی تمام حدیثوں کی قبر ہے۔

ہیں ''اس آیت میں قبروں پر مسجد بنانے کے جواز کی دلیل یوں ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے قول ہم ان (اصحاب کہف) پر ایک مسجد بنائیں گے'' کو بیان کیا اور اس کو برقرار رکھا۔ اس کی کوئی تردید نہیں کی''......اس استدلال کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب

پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں پر رد و انکار کے عدم ذکر کو اقرار قرار دینا صحیح نہیں ہے، الا یہ کہ یہ ثابت ہو جائے کہ جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ ''ہم اصحابِ کہف پر ایک مسجد بنائیں گے'' وہ نہ صرف مسلمان بلکہ نیک اور اپنے نبی کی شریعت کی پابندی کرنے والے لوگ تھے، مگر آیت میں ایسا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ہے، بلکہ واقعہ سے قریب تر احتمال یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمان ہی نہ تھے، یا کم از کم صالح مسلمان نہ تھے، بلکہ کافر یا فاجر تھے، جیسا کہ ابن رجب حنبلی اور ابن کثیر وغیرہ کے کلام میں یہ بات گزر چکی ہے، ایسی صورت میں ان کے قول کو اس کا رد کئے بغیر بھی بیان کرنا رد و انکار ہی ہے، اقرار نہیں، کیونکہ کسی قول وعمل کو کفار و فجار کا قول وعمل قرار دینا اور ان کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا ہی اس کی مذمومیت و تردید کے لیے کافی ہے، اس لیے آیت زیر بحث میں سکوت سے اقرار پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، اس بیان کی تائید دوسرے جواب سے بھی ہوتی ہے۔

دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ استدلال مذکور عہد ماضی اور عصر حاضر کے ان نفس پرستوں کے طریقہ و اصول کے مطابق تو درست ہو سکتا ہے جو فقط قرآن کو دین سمجھتے ہیں اور سنت رسول کی کوئی قدر و قیمت نہیں مانتے لیکن اہل سنت و جماعت کے عقیدہ و اصول کے مطابق جو وحی جلی (قرآن) اور وحی خفی (سنت) دونوں پر ایمان اور درج ذیل صحیح مشہور حدیث پر یقین رکھتے ہیں وہ استدلال قطعی باطل ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ)) مَعَهُ وَفِیْ رِوَایَةٍ ((اَلَا اِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ)) [1]

''خبردار سن لو! مجھے قرآن اور قرآن جیسی ایک چیز اور دی گئی ہے (یعنی سنت)

[1] مشکوٰۃ: کتاب الایمان، باب الاعتصام، رقم ۱۶۳۔

ایک دوسری روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح اللہ کی حرام کردہ شئے''

پس معاصر مذکور کا یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کے اس قول کا کوئی رد نہیں کیا ہے ''کہ ہم اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے'' حالانکہ اس کا رد و انکار متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ اللہ عزوجل نے بزبان رسول ایسے لوگوں پر لعنت کی ہے اس سے واضح اور کھلا رد و انکار اور کیا ہوسکتا ہے؟

احادیث متواترہ کے خلاف سورۂ کہف کی آیت محولہ بالا سے خواہ مخواہ بناء مساجد علی القبور کے جواز پر استدلال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی تصویر کشی اور بت سازی کے جواز پر اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرے جو سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان جنوں کے بارے میں وارد ہے:

﴿يَعْمَلُوْنَ لَهُ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رَّاسِيَاتٍ﴾ [۳۴/سبا:۱۳]

''اور سلیمان (علیہ السلام) کیلیے وہ (جن) بناتے تھے جو کچھ وہ چاہتے، اونچی عمارتیں، تصویریں، بڑے بڑے حوض جیسی لگن اور بھاری بھاری دیگیں۔''

اور ان تمام صحیح حدیثوں کو پس پشت ڈال دے جو تصویر کشی اور بت سازی کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں، ظاہر ہے کوئی مسلمان جو حدیث رسول پر ایمان رکھتا ہو ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

یہ تھا پہلا شبہ یعنی سورۂ کہف کی آیت ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ [۱۸/الکہف:۲۱] اس استدلال کا جواب۔

دوسرا شبہ:

دوسرا شبہ یہ تھا کہ آج یہ ایک امر مشاہد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مسجد نبوی کے اندر ہے۔ اگر مسجد کے اندر قبر بنانا حرام ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دفن نہ کیا جاتا۔

جواب:

اگرچہ آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مسجد نبوی کے اندر نظر آرہی ہے لیکن عہد صحابہ

میں ایسا نہ تھا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حجرہ میں دفن کیا تھا جو مسجد کے پہلو میں تھا۔ مسجد اور حجرہ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی۔ اس میں ایک دروازہ تھا جو مسجد میں کھلتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی سے مسجد میں تشریف لاتے تھے، یہ تھی اصل صورت واقعہ جو علما کے درمیان تاریخی طور پر متفق علیہ اور مشہور ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرہ کے اندر دفن کرنے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر مصلحت یہ تھی کہ ان کے بعد بھی کوئی قبر نبوی کو سجدہ گاہ نہ بنا سکے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تفصیل گزر چکی ہے۔

قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں کب شامل کی گئی

لیکن صحابۂ کرام کے بعد وہ کچھ ہوا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا، ہوا یہ کہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ۸۸ھ میں مسجد نبوی کی توسیع وتعمیر جدید کیلیے مسجد کو گرانے اور ازواج مطہرات کے حجروں کو اس میں شامل کرنے کا حکم دیا اور حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا (جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدفون تھے) کو بھی مسجد میں داخل کر دیا گیا، اس طرح قبر نبوی مسجد کے اندر آ گئی۔ [1] اس واقعہ کے وقت مدینہ منورہ میں صحابہ میں سے کوئی بقید حیات نہ تھا، جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ موجود تھے، یہ ان کا وہم ہے۔ علامہ حافظ محمد بن عبدالہادی ''الصارم المنکی'' (۱۳۶، ۱۳۷) میں تحریر فرماتے ہیں:

حجرۂ نبوی کو مسجد شریف کے اندر ولید بن عبدالملک کی خلافت میں داخل کیا گیا، اس وقت مدینہ منورہ کے تمام صحابہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، مدینہ میں وفات پانے والے آخری صحابی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی وفات ۷۸ھ میں ہوئی ہے اور ولید بن عبدالملک ۸۶ھ میں خلیفہ ہوا اور ۹۶ھ میں اس کی وفات ہوئی ہے، اس لیے مسجد نبوی کی تعمیر جدید اور حجرہ شریفہ کو اس کے اندر داخل کرنے کا واقعہ ۸۶ھ اور ۹۶ھ کے درمیان کا واقعہ ہے۔ [2]

علامہ ابوزید عمرو بن شبہ النمیری نے اپنی کتاب اخبار المدینہ میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تاریخ ابن جریر (۲۲۲/۵، ۲۲۳) تاریخ ابن کثیر (۹/۷۴/۵)

[2] خلافت ولید بن عبدالملک کے کس سنہ میں مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ہوئی، حافظ ابن عبدالہادی نے اس کی

کا ذکر اپنے شیوخ سے اور وہ اپنے اساتذہ سے بیان کرتے ہیں کہ ''حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو ولید کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے، سنہ ۹۱ھ میں مسجد نبوی کی تعمیر جدید اور توسیع فرمائی دیواریں منقش پتھروں سے بنائی گئیں اور چھت ساگوان کی زراندود لکڑی سے انہوں نے ازواج مطہرات کے حجروں کو منہدم کرا کے مسجد نبوی میں شامل کر دیا اور حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف تھی مسجد کے اندر داخل کر دیا۔''

بقیہ حاشیہ...... تعیین نہیں فرمائی ہے، کیونکہ سنہ کی تعیین کسی ایسی روایت میں وارد نہیں ہے جو محدثین کے معیار پر ثابت ہو۔ ہم نے ابن جریر سے جو روایت نقل کی ہے وہ واقدی سے مروی ہے۔ واقدی متہم اور ناقابل اعتماد راوی ہے، اسی طرح ابن شبۂ نمیری کی روایت کا مدار مجہول راویوں پر ہے، نہ نمیری کے شیوخ معلوم ہیں، نہ ان کے شیوخ کے شیوخ، اس لیے دونوں روایتوں میں سے ایک بھی لائق حجت نہیں، اس سلسلہ میں تمام تر اعتماد مؤرخین کے اس متفق علیہ بیان پر ہے کہ حجرۂ نبوی کو مسجد میں شامل کرنے کا واقعہ ولید بن عبدالملک ...... کے عہد خلافت کا ہے، یہ متفقہ بیان اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ واقعہ مدینہ میں سکونت پذیر صحابۂ کرام کی وفات کے بعد کا ہے۔ جیسا کہ حافظ موصوف نے بیان کیا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: لیکن یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابوعبداللہ رازی نے اپنے مشیخہ (۱/۲۱۸) میں محمد بن ربیع جیزی کے واسطہ سے یہ بیان کیا ہے کہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ کے اندر ۹۱ھ میں ہوئی ہے، یہ مدینہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں۔''

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ محمد بن ربیع جیزی مجہول راوی ہے، نیز یہ روایت سنداً معضل ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے اصابہ (۲/۸۷) میں مذکورہ روایت کے مثل امام زہری کا جو قول نقل کیا ہے، وہ بھی روایۃً معضل یا مرسل ہے. زہری کا قول ذکر کرنے کے بعد حافظ لکھتے ہیں ''ایک قول یہ ہے کہ سہل بن سعد کی وفات ۹۱ھ سے پہلے ہوئی ہے، ابن ابی داؤد کا خیال ہے کہ سہل بن سعد کی وفات اسکندریہ میں ہوئی ہے مگر تقریب التہذیب میں حافظ نے جزم کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ سہل کی وفات ۸۸ھ میں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض بعہد ولید مسجد نبوی کی توسیع کے وقت مدینہ میں کسی صحابی رسول کے حیات ہونے کی صریح دلیل موجود نہیں ہے جس کو دعویٰ ہو وہ پیش کرے۔

اور شرح مسلم نووی میں جو یہ لکھا ہے کہ مسجد نبوی کی توسیع صحابہ کے زمانہ میں ہوئی تو اس کا ماخذ غالباً وہی مذکورہ معضل یا مرسل روایات ہیں جو ناقابل حجت ہیں۔ علاوہ ازیں یہ دلیل دعویٰ سے اخص بھی ہے کیونکہ مذکورہ روایتیں اگر صحیح ہوں تو ان سے صرف کسی ایک صحابی کا موجود ہونا ثابت ہوگا، نہ کہ ''صحابہ'' کا۔

خلیفہ سوم عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سلف پر ایک الزام

ایک شخص جس نے علم و معرفت کے بغیر اس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے۔ لکھتا ہے ''کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی توسیع کی اور اس میں وہ زمینیں شامل کیں جو پہلے مسجد میں نہ تھیں، اسی وقت تینوں قبریں

تیسرا شبہ

تیسرا شبہ یہ تھا کہ نبی ﷺ نے مسجد خیف میں نماز پڑھی ہے، حالانکہ حدیث میں

(قبر نبوی اور قبر صاحبین ابی بکر وعمر) مسجد کے اندر آ گئیں اور سلف میں سے کسی نے اس پر نقد واحتساب نہیں کیا۔''

ردالزام:

یہ قول ان قبوریوں کی بے پناہ جہالت کا ثبوت ہے کیونکہ کسی مؤرخ اور کسی عالم نے یہ نہیں کہا ہے کہ قبورِ ثلاثہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شامل مسجد نبوی کی گئیں ہیں، بلکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ہوا ہے، یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کے تقریباً پچاس برس بعد، مگر یہ بدعتی بے سوچے جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو اس کے بالکل برخلاف کیا تھا جو یہ حضرات ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں' انہوں نے مسجد نبوی کی توسیع کی تو اس بات کا پورا پورا لحاظ رکھا کہ احادیث کی مخالفت نہ ہو اور قبر پر مسجد بنانے کی کوئی صورت پیش نہ آئے۔ اسی لیے انہوں نے ازواج مطہرات کے حجروں کی جانب کوئی اضافہ نہیں کیا اور ان حجروں کو مسجد میں شامل نہیں کیا، حضرت عثمان کا یہ طرز عمل ان کے پیشرو حضرت عمر فاروق کے طرز عمل کے عین مطابق تھا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توسیع کے وقت اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا کہ حجرات کی جانب توسیع کرنے میں وہ محذور لازم آئے گا جو احادیث میں مذکور ہے۔

رہا یہ کہنا کہ ''سلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، آخر یہ کیسے معلوم ہوا کہ کسی نے انکار نہیں کیا تھا؟ کسی امر ممکن کی نفی آسان نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ واقعہ ہوا ہو اور ہمیں اس کا علم نہ ہو کسی واقعہ (کے کسی جز) کی نفی اس بات پر موقوف ہے کہ اس واقعہ کا پوری طرح استقراء اور اس کا ہر پہلو سے احاطہ کر لیا گیا ہو، لیکن واقعہ زیر بحث کے تمام اجزا کا تتبع اور احاطہ قائل مذکور نے کیا ہے نہ یہ اس کے بس میں ہے، ان حضرات نے اس مسئلہ میں اگر کسی کتاب کی مراجعت کر لی ہوتی تو ایسی رسوا کن جہالت میں مبتلا نہ ہوتے اور وہ ایسی دلیل پا جاتے جو انہیں اس جاہلانہ انکار سے باز رکھتی۔

سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا نقد وانکار

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ (۹/ ۷۵) میں قبر شریف کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی تاریخ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں'' روایت ہے کہ سعید بن مسیّب نے حجرۂ عائشہ کو مسجد نبوی میں داخل کرنے پر نقد وانکار کیا تھا، انہیں ڈر تھا کہ قبر نبوی مسجد میں آ گئی تو اس کو سجدہ گاہ بنا لیا جائے گا۔''

مجھے اس روایت کی صحت وعدم صحت سے کچھ زیادہ سروکار نہیں کہ میں اس پر کسی حکم شرعی کی بنیاد نہیں رکھ رہا ہوں، لیکن بہرحال سعید بن مسیّبؒ اور دیگر علما جو مسجد نبوی میں حجرۂ عائشہ کو داخل کرنے کے وقت موجود تھے، گمان یہی ہے کہ انہوں نے اس کا شدت سے انکار کیا ہوگا، کیونکہ یہ ان احادیث کے بالکل خلاف تھا جن میں حکم دیا گیا ہے کہ قبروں کو مسجد نہ بناؤ، خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں وہ کہتی ہیں کہ ''اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ آپ کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے گا تو اسے کھلی جگہ میں بنایا گیا ہوتا'' مگر صد افسوس! ہوا وہی صحابہ کو جس کا خوف تھا

وارد ہے کہ مسجد خیف کے اندر ستر انبیا کی قبریں ہیں۔

قبر کو مسجد میں داخل کر دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کے اندر دفن کرنے میں جو خرابی صحابہ کے پیش نظر تھی وہ خرابی قبر نبوی کو مسجد نبوی میں داخل کر لینے میں بھی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں، جیسا کہ حافظ عراقی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

سعید بن مسیبؒ کے متعلق مذکورہ بالا گمان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فصل اول کی حدیث پنجم کے ایک راوی وہ بھی ہیں، ان کے علم وفضل اور جرأت حق گوئی کی دنیا قائل ہے، اس لیے ان کے متعلق یہ گمان رکھنا کہ انہوں نے حدیث کی خلاف ورزی کرنے والے کو ضرور ٹوکا ہوگا، شایان شان ہوگا؟ یا یہ کہ وہ ایک منکر کو دیکھتے ہوئے بھی چپ رہے جیسا کہ یہ قبوری کہتے ہیں کہ ''سلف میں سے کسی نے اعتراض وانکار نہیں کیا'' درحقیقت قبوریوں کا یہ قول، سلف پر کھلا طعن ہے، ہر وہ شخص جو (فصل اول میں) مسطور حدیثوں اور ان کے معانی و مطالبات کا علم رکھتا ہے، خوب جانتا ہے کہ قبر کو مسجد میں داخل کرنا کھلا ہوا منکر ہے۔ سلف صالحین کے متعلق اگر ہم یہ کہیں کہ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے تو اس سے زیادہ بے معنی کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ یہ ان پر کھلی تہمت ہے وہ اس حقیقت سے کہ ''ادخال قبر فی المسجد'' منکر ہے۔ یقیناً واقف تھے، اس لیے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ انہوں نے اس منکر کا ضرور انکار واحتساب کیا ہوگا، اگرچہ ہمیں اس کا علم نہیں، کیونکہ تاریخ نے ہمارے لیے ماضی کے ہر واقعہ کو محفوظ نہیں رکھا ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سلف نے اس منکر پر اعتراض نہیں کیا، اللّٰھم غفرا۔

مسطورہ بالا تفصیل وتحقیق سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ حجرۂ عائشہ کو جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف ہے مسجد نبوی میں شامل کرنے کی غلطی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہیں کی بلکہ ولید بن عبدالملک نے کی ہے اور اس وقت صحابۂ کرام میں سے کوئی مدینہ میں حیات نہ تھا۔ نیز یہ عمل صحابہ کی اس منشا کے بالکل خلاف ہوا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرۂ مبارکہ کے اندر دفن کرنے میں ان کے پیش نظر تھا، اس حقیقت کو جان لینے کے بعد کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ صحابۂ کرامؓ کے بعد (قبر نبوی کے ساتھ) جو کچھ ہوا اسے دلیل بنائے، کیونکہ یہ تبدیلی احادیث صحیحہ اور ان سے صحابۂ کرام اور ائمہ عظام نے جو کچھ سمجھا تھا اس کے بالکل ضد ہے، نیز یہ خلفاء راشدین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے بھی خلاف ہے، انہوں نے جب مسجد نبوی کی توسیع کی تھی تو قبر نبوی کو مسجد میں داخل نہیں کیا تھا، اس لیے ہم قطعیت کے ساتھ کہتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک نے قبر نبوی کو مسجد میں داخل کر کے غلطی کی ہے، اللہ اس کی خطا کو معاف فرمائے۔ اسے مسجد نبوی کی توسیع کرنی ہی تھی تو حجرۂ مبارکہ سے کوئی تعرض کئے بغیر دوسری جہات میں کرسکتا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، بلکہ انہوں نے صاف فرما دیا تھا کہ حجرۂ نبوی کی طرف توسیع نہیں کی جاسکتی، [1] کیونکہ اس کو منہدم کر کے اسے شامل

---

[1] طبقات (۴/ ۲۱) ابن عساکر (۸/ ۴۷۸) سیوطی نے جامع کبیر (۲/۳/ ۲۷۲) میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، مگر سالم ابوالنضر کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لقاء ثابت نہیں۔ ووفاء للسمہوی (۱/ ۳۴۳) المشاہدات المعصومیہ عند قبر خیر البریہ للعلامہ محمد سلطان المعصومی (ص ۴۴)

جواب

اس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ نے مسجد خیف میں نماز ادا فرمائی ہے لیکن اس

مسجد کرنے سے وہ مخدور لازم آ کے رہے گا، حدیثوں میں جس سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

قبر نبوی کے ساتھ سلف وخلف کا رویہ

احادیث نبویہ اور سنت خلفاء راشدین کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے جب لوگوں نے قبر نبوی کو مسجد نبوی میں داخل کیا تھا تو انہوں نے بھی تھوڑی احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ خلاف ورزی حتی الامکان کم ہو۔ چنانچہ امام نووی شرح مسلم (۱۴/۵) میں فرماتے ہیں "مدینہ منورہ کے اندر مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کے سبب جب صحابہ وتابعین نے مسجد نبوی میں اضافہ وتوسیع کی ضرورت محسوس کی اور اتنا اضافہ امہات المومنین کے حجرے بشمول حجرۂ عائشہ جو رسول اللہ ﷺ اور صاحبین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی آرام گاہ ہے، مسجد نبوی میں شامل کر لیے گئے، تو قبروں کے اردگرد چاروں طرف ایک مدور بلند دیوار تعمیر کر دی گئی، تاکہ مسجد نبوی کے اندر قبر ظاہر نہ ہو [1] کہ عوام اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں اور کوئی خرابی پیدا ہو، پھر قبر شریف کے شمالی گوشوں پر دو دیواریں منحنی صورت میں بنا دی گئیں اور ان کو ملا دیا گیا تاکہ کسی کے لیے قبر نبوی کا استقبال ہی ممکن نہ ہو۔ یہ تفصیل امام قرطبی سے بھی منقول ہے، اسے حافظ ابن حجر حنبلیؒ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے (الکواکب الدراری (۶۵/۹۱/۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (الجواب الباہر فی زوار المقابر (۹/۲) میں تحریر فرماتے ہیں "حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب مسجد میں شامل کیا گیا تو اس کے دروازہ کو بند کر دیا گیا اور اس کے گرد ایک اور دیوار قائم کر دی گئی تاکہ حجرہ درگاہ اور قبر بت بننے سے محفوظ رہیں۔

گنبد خضراء

یہ امر انتہائی قابل افسوس ہے کہ قبر نبوی پر وہ بلند قبہ جسے گنبد خضراء کہتے ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

---

[1] اس میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ مسجد میں قبر کا ظاہر ہونا خواہ اس پر تعمیر شدہ مقبرہ کی جالیوں ہی سے سہی، جیسا کہ جامع اموی (دمشق) اور مسجد حلب (شام) میں یحییٰ علیہ السلام کی (فرضی) قبر کی صورت ہے، بہر حال باعث فتنہ ہے، اسی لیے امام احمدؒ نے تصریح فرمادی ہے کہ "ایسی مسجد میں نماز جائز نہیں جس کے آگے (جانب قبلہ قبر ہو) اور مسجد اور قبر کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہ ہو، پھر بھلا اس مسجد میں نماز کیونکر جائز ہو سکتی ہے، جس کے اندرونی حصہ میں قبلہ کی جانب کوئی قبر ہو اور مصلیوں اور قبر کے درمیان کوئی دیوار بھی حائل نہ ہو، بہ سند صحیح مروی ہے کہ "عطاء ابن ابی رباح سے جریج نے پوچھا۔ کیا آپ قبروں کے بیچ ایسی مسجد جس کے آگے جانب قبلہ قبر ہو نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا" ہاں! اس سے منع کیا گیا ہے" عطاء بن ابی رباح جلیل القدر تابعی ہیں، انہوں نے مسجد اور قبر کے درمیان مسجد کی دیوار کے فصل کو بھی کافی نہیں سمجھا تو اندرون مسجد واقع قبر کی جالیوں وہ بھی پر کشش جالیوں کا کیا اعتبار؟ یہ تو بجائے خود ایک دوسرا منکر ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور صاحب قبر کی غیر شرعی تعظیم پر مزید ابھارتا ہے۔ البتہ مسجد نبوی کے اندر مکروہ نہیں ہے، (تفصیل ساتویں فصل میں آ رہی ہے۔)

سے بناء مسجد علی القبر کے جواز پر استدلال دو وجوہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ

مسجد خیف میں ستر انبیا کی قبروں کا ہونا بے ثبوت بات ہے اور اس کے ثبوت میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے اس کی صحت نا قابل تسلیم ہے۔ صحیح احادیث کی جمع و تدوین کا اہتمام کرنے والے محدثین میں سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ نہ متقدمین ائمہ حدیث میں سے کسی محدث نے جس کی توثیق و تصحیح پر اعتماد کیا جاتا ہے، اسے صحیح کہا ہے اور نہ اصول حدیث کی رو سے اسے صحیح قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں جو ''غرائب'' یعنی ایسی عجیب و غریب باتیں روایت کرتے ہیں جو دوسرے ثقہ راویوں کے یہاں نہیں ملتی، اس

بقیہ حاشیہ...... صدیوں سے قائم ہے اور قبر شریف کو بھی خوشنما آہنی جالیوں اور زرق برق غلاف سے گھیر دیا گیا ہے لیکن یہ سب صاحب قبر کو ناپسند اور ان کی رضا کے بالکل خلاف ہے۔ یہ صحیح ہے اور مجھے اس کا اعتراف ہے کہ قبر شریف پر سخت پہرہ رہتا ہے اور پولیس کسی کو وہاں خلاف شرع حرکت نہیں کرنے دیتی۔ حکومت سعودیہ اس انتظام پر شکریہ کی مستحق ہے مگر اتنا ہی کافی وشافی نہیں اس سلسلہ میں میں نے اپنی کتاب ''احکام الجنائز وبدعہا'' میں لکھا تھا کہ:

''واجب ہے کہ مسجد نبوی کو اس کی پہلی ہیئت پر واپس کیا جائے یعنی مسجد نبوی اور قبر شریف کے درمیان شمالاً وجنوباً ایک لمبی دیوار کھینچ دی جائے جو قبر نبوی کو مسجد سے جدا کر دے تاکہ مسجد نبوی میں داخل ہونے والے کو اس کے اندر کوئی ایسی خلاف شرع ہیئت نظر نہ آئے جو اس کے مؤسس کو ناپسند تھی۔ (آپ ﷺ کو یہ ہیئت کہ اندرون مسجد کوئی قبر ہو انتہائی ناپسند تھی حتیٰ کہ ایسا کرنے والے کو آپ نے ملعون قرار دیا ہے)

میرے نزدیک حکومت سعودیہ پر اگر وہ توحید کی واقعی حمایت کا ارادہ رکھتی ہے تو مذکورہ تجویز پر عمل واجب ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حکومت سعودیہ کے ہاتھوں اس تجویز کو عملی جامہ پہنائے گا۔ حکومت سعودیہ سے زیادہ اس کا ذمہ دار اور مستحق کون ہوسکتا ہے؟

جامع اموی میں قبر

قبوریوں کی جہالت دیکھیے، کہتے ہیں کہ دمشق میں صحابہ وغیرہ کی آمد کے وقت سے جامع اموی دمشق کے اندر قبر ہے، اس پر کبھی کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اہل بدعت کی منطق بھی عجیب ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ جامع اموی میں وہ آج جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ سب اس کے بانی اول ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں موجود تھا!

کیا یہ بات کوئی صاحب ہوش کہہ سکتا ہے؟...... ہرگز نہیں!! ان قبوریوں کے علاوہ کوئی بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا، ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ خیال بالکل باطل ہے، صحابہ وتابعین کے عہد مبارک میں جامع اموی یا کسی دوسری مسجد میں کبھی کوئی قبر نہیں تھی۔

لیے ایسے راوی کی تنہا روایت کردہ حدیث کی صحت پر اعتماد واطمینان نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث کا متن مع سند درج ذیل ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بْنُ اَحْمَدَ نَا عِيْسٰى بْنُ شَاذَانَ نَا اَبُوْ هَمَّامِ الدَّلَّالِ نَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ طُهْمَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا ((فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ قَبْرُ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا)) (المعجم الکبیر للطبرانی ۳/۲۰۴/۲)

امام ہیثمی نے یہ روایت ''مجمع الزوائد'' میں بحوالہ مسند بزار ان لفظوں میں ذکر کی ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک

البتہ بعض روایات میں زید بن واقد سے یہ مروی ہے کہ ''جب ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں جامع (دمشق) کی تعمیر شروع ہوئی تو ایک ستون کے لیے بنیاد کھودتے وقت ایک غار ملا جس میں صندوق تھا۔ صندوق کے اندر سر یا کدو کے مشابہ ایک ظرف میں یحییٰ علیہ السلام کا سر رکھا ہوا تھا اس پر لکھا تھا ''هٰــــذا راسُ یحیی '' یہ یحییٰ کا سر ہے) ولید نے حکم دیا کہ سر جہاں تھا وہیں دفن کر دیا جائے اور اس ستون کے بالائی حصہ کو جو اس غار کے اوپر پڑ رہا ہے، ظرف نما بنا دیا جائے۔

یہ واقعہ ابوالحسن ربعی نے ''فضائل الشام (ص ۳۴)'' میں اور ان کے واسطہ سے ابن عساکر نے اپنی تاریخ (ج ۲ ص ۱۰۹) میں روایت کیا ہے، اس روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے، اس میں ایک راوی ابراہیم ہشام غسانی ہے وہ سخت ضعیف ہے، ابوزرعہ اور ابوحاتم نے کہا ''وہ دروغ گو ہے'' ذھبی نے کہا ''وہ متروک ہے'' علاوہ ازیں ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ دوسری صدی ہجری کے اواخر تک جامع اموی میں قبر کی کوئی صورت بھی نہیں تھی، چنانچہ ربعی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ولید بن مسلم سے دریافت کیا گیا، یحییٰ علیہ السلام کے سر کے بارے میں آپ کو کچھ معلوم ہے؟ تو جامع اموی کے مشرقی جانب چوتھے ستون کی طرف اشارہ کر کے کہا، یہاں جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے۔ یہ روایت اس حقیقت پر صاف دلالت کرتی ہے کہ ولید بن مسلم کے زمانہ تک جامع اموی میں بہ ظاہر کوئی قبر نہیں تھی، ولید بن مسلم کی وفات ۱۹۴ھ میں ہوئی ہے۔

پھر یہ ثابت کرنا کہ وہ سر یحییٰ علیہ السلام ہی کا تھا، جوئے شیر لانے سے کم مشکل نہیں ہے، بلکہ ناممکن ہے۔ اسی واسطے مؤرخین کے درمیان اس بارے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور مؤرخین کا خیال ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کا سر مسجد دمشق (جامع اموی) میں نہیں بلکہ مسجد حلب شام میں ہے، یہ بات ہمارے استاذ شیخ فی الاجازہ علامہ محمد راغب طباخ نے ایک پرمغز مقالہ میں ثابت کی ہے، یہ مقالہ ''مجلۃ المجمع العلمی، دمشق (ج ۱ ص ۴۱، ۱۴۸۲) میں ''راس یحی و زکریا'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ شرعی نقطۂ نگاہ سے ہمارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ یہ صحیح ہے یا وہ یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک مسجد دمشق میں ہو یا مسجد حلب میں، نوعیت مسئلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ اگر یہ یقین ہو کہ ان مسجدوں میں کسی میں یحییٰ علیہ السلام کا سر نہیں ہے تو بھی ان مسجدوں میں فی زمانہ قبر کی صورت کا وجود بجائے خود شریعت کی سراسر خلاف ورزی ہے، کیونکہ شریعت مطہرہ نے

((فِیْ مَسْجِدِ الْخَیْفِ قَبْرُ سَبْعِیْنَ نَبِیًّا)) (رواہ البزار ورجالہ ثقات) [1]

رجال بزار کی طرح طبرانی کے رجال بھی عبدان بن احمد کے سوا سب ثقہ ہیں۔

یہ عبدان بن احمد اہوازی ہیں جیسا کہ طبرانی نے معجم صغیر (ص ۱۳۶) میں ذکر کیا ہے، کتب رجال میں مجھے ان کا کہیں تذکرہ وترجمہ نہیں ملا، گویا یہ مجہول راوی ہیں اور یہ عبدان بن محمد مروزی کے علاوہ ہیں، مروزی بھی طبرانی کے شیخ ہیں۔ (معجم کبیر ص ۱۳۶ وغیرہ) اور یہ ثقہ اور حافظ ہیں، تاریخ بغداد (۱۱/ ۱۳۵) اور تذکرۃ الحفاظ (۲/ ۲۳۰) وغیرہ کتب رجال میں ان کا ترجمہ وتذکرہ موجود ہے۔

سند مذکورہ میں دوسرے راوی عیسیٰ بن شاذان ہیں، وہ ''غرائب'' روایت کرتے ہیں، ثقات ابن حبان میں ''یُغْرِبُ'' لیکن ابراہیم بن مستمر نے ان کی متابعت کی ہے (زوائد مسند بزار ص ۱۲۲) [2] یہ متابعت قابل اعتبار ہے۔ ابراہیم کے متعلق تقریب میں ہے ''صدوق یغرب.''

سند کے چوتھے راوی ابراہیم بن طہمان ہیں، ابن عمار موصلی ان کے بارے میں فرماتے ہیں...... ''ضعیف مضطرب الحدیث.''

موصلی کا یہ قول علی الاطلاق گو درست نہیں تاہم اس بات پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ ابراہیم بن طہمان کی حدیث میں کچھ ضعف ہوتا ہے، اس کی تائید ابن حبان کے قول سے بھی

گزشتہ سے پیوستہ...... احکام کی بنا ظاہر پر رکھی ہے نہ کہ باطن پر، یہ اصول مشہور ومعروف ہے، اس کے بعض شواہد علما کے کلام میں آگے آرہے ہیں، قبر اگر مسجد میں قبلہ کی جانب ہو تو ایسی صورت میں شریعت کی اور بھی زیادہ خلاف ورزی ہے، مسجد حلب میں صورت حال یہی ہے، مگر افسوس! وہاں کے علما چپ ہیں... ''تفو برتو اے چرخ گردوں تفو!'' مسجد کے اندر قبر پر مقبرہ بنا دینا اور سمجھنا کہ اس طرح شریعت کی مخالفت سے بچ گئے، جیسا کہ بعض حضرات سمجھتے ہیں، بالکل بے معنی ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی قبر کا قبر ہونا بہر حال ظاہر ہے، وہ عوام اور جاہل خواص کا مرجع بنی رہے گی اس کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جائے گا جو اللہ کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں، اس پر مراقبہ کیا جائے گا، اللہ کو چھوڑ کر اسی سے فریادیں اور دعائیں کی جائیں گی، جیسا کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ دراصل مسجد کے اندر قبر کا ظاہر ہونا ہی برائی ہے، وہ کھلی ہو یا مقبرہ کے اندر، امام نووی کے کلام میں یہ بات گزر چکی ہے۔

بہر حال یہ کہنا کہ یحییٰ علیہ السلام کی قبر جامع اموی میں صحابہ وتابعین کے وقت سے ہی موجود ہے اور کسی نے کبھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، سفید جھوٹ ہے۔ [1] صرف بزار کا حوالہ دینا ہیثمی کی فروگذاشت ہے، کیونکہ یہ حدیث معجم طبرانی میں بھی موجود ہے۔ کما مر۔ [2] مخطوطہ المکتب الاسلامی، بیروت۔

ہوتی ہے، فرماتے ہیں ''ابراہیم بن طہمان کا معاملہ مشتبہ ہے، ثقات میں بھی ان کا شمار کیا گیا ہے اور ضعفا میں بھی، انہوں نے معتبر حدیثیں بھی روایت کی ہیں جو ثقات کے مشابہ ہیں اور ثقات سے کچھ معضل احادیث روایت کرنے میں بھی منفرد ہیں (ثقات اتباع التابعین،۲/۱۰)

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں لکھا ہے ''ابراهیم بن طهمان ثقة یُغرِبُ''

ابراہیم بن طہمان کے شیخ منصور بن المعتمر ثقہ ہیں ابراہیم نے ان سے ایک دوسری حدیث بھی اپنے مشیخہ [1] میں روایت کی ہے (۲/۲۴۴) بہر کیف مذکورہ حدیث ابراہیم بن طہمان کے غرائب میں سے ہے۔

تصحیف

اور مجھے تو شبہ ہے کہ اس حدیث میں کسی راوی سے تصحیف وتحریف ہوگئی ہے اور اس نے صَلّی کے بجائے قبر روایت کر دیا ہے کیونکہ یہ حدیث لفظ صلّی کے ساتھ ہی مشہور ہے، چنانچہ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے:((صَلّٰی فِیْ مَسْجِدِ الْخَیفِ مَبْعُوْنَ نَبِیًّا)) (المعجم الکبیر،۳/۱۵۵/۱،المعجم الاوسط،۱/۱۱۹/۲) زوائد اوسط معجم اوسط [2] سے مقدسی نے مختارہ (۲/۲۳۹) میں اور ابوطاہر مخلص نے ''مخلصیات'' (۱/۷۰) میں اور ابومحمد شیبان العدل نے ''الفوائد (۲/۲۲۲/۲) میں نقل کیا ہے، امام منذری نے معجم اوسط طبرانی کے حوالہ سے اس حدیث کی تخریج کے بعد فرمایا ہے...... ''اس حدیث کی سند حسن ہے''

میرے نزدیک اس حدیث کے حسن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، مجھے اس کی ایک متابع حدیث دستیاب ہوئی ہے جسے ازرقی نے اخبار مکہ (ص ۳۵) میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے، اس کی سند بھی قابل استشہاد ہے، جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''حجۃ الوداع'' میں بیان کیا ہے، ازرقی نے ص ۳۸ پر بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔ اس کی سند یہ ہے، ''حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ حَدَّثَنِیْ مَنْ لَّا اَتَّهِمُهُمْ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ.''

خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں مشہور لفظ صَلّٰی ہے اور یہ بہ لفظ قبر ضعیف ہے، دل

---

[1] مخطوطہ، مکتبہ ظاہریہ دمشق۔ [2] مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ دمشق کامل، مخطوطہ مکتبہ حرم مکی، ناقص۔

اس کی صحت پر مطمئن نہیں اور اگر صحیح ہو تو اس سے استدلال کا جواب یہ ہے:

دوسری وجہ

حدیث مذکور میں یہ ذکر نہیں ہے کہ مسجد خیف میں قبریں ظاہر میں موجود ہیں۔ ازرقی نے ''تاریخ مکہ'' (۴۰۶، ۴۱۰) میں مسجد خیف کے وصف و بیان کے لیے متعدد فصلیں منعقد کی ہیں، مگر کسی میں یہ تذکرہ نہیں کیا ہے کہ مسجد خیف میں قبریں ظاہری شکل میں موجود ہیں اور یہ تو معلوم ہے کہ شریعت نے احکام کی بنا ظاہر پر رکھی ہے نہ کہ باطن پر، مسجد خیف میں قبریں نہ کہیں نظر آتی ہیں نہ وہاں قبر کا کوئی نام ونشان ہے، نہ کوئی انہیں جانتا ہے، بلکہ مذکورہ ضعیف حدیث نہ ہوتی تو کسی کے وہم وخیال میں بھی یہ بات نہ آتی کہ مسجد خیف میں ستر نبیوں کی قبریں ہیں۔ اس لیے اس مسجد میں ان مفاسد کا خطرہ نہیں ہے جو لازماً ان مسجدوں میں ہوتا ہے، جن میں ظاہر میں اونچی قبریں موجود ہوتی ہیں، لہٰذا مسجد خیف کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

چوتھا شبہ

چوتھا شبہ یہ تھا کہ روئے زمین پر سب سے افضل مسجد جس میں نماز پڑھنے کا خصوصیت کے ساتھ قصد و اہتمام کیا جاتا ہے، مسجد حرام ہے، حالانکہ بعض تاریخی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسجد حرام کے اندر مقام حجر میں اسماعیل علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیا کی قبریں ہیں۔

جواب

یہ شبہ بھی بے بنیاد اور متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ

بے شک مسجد حرام دنیا کی سب سے افضل مسجد ہے اور اس میں نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کی بہ نسبت ایک لاکھ گنا زیادہ ہے، مگر مسجد حرام کی یہ فضیلت ذاتی ہے اور ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تعمیر کے وقت ہی سے اسے حاصل ہے۔ اس کی یہ فضیلت

اسماعیل علیہ السلام کے اس میں مدفون ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، اگر مدفون ہونا ثابت ہو۔ جو شخص اس کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ شدید گمراہی میں مبتلا ہے اور ایسے اعتقاد کا حامل ہے جو نہ کسی معتبر حدیث سے ثابت ہے نہ سلف صالحین سے۔

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اوپر جو کچھ ذکر کیا گیا ہے درست ہے لیکن اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہوتا ہی ہے کہ ایسی مسجد کے اندر جس میں کوئی قبر ہو نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے تو دوسری اور تیسری وجوہ جواب سے اس کا بھی ازالہ ہو جائے گا۔

دوسری وجہ

حضرت اسماعیل وغیرہ انبیا کرام علیہم السلام کا مسجد حرام (حرم) میں مدفون ہونا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں، حدیث کی مستند کتابوں، صحاح ستہ، مسند احمد، معاجم طبرانی وغیرہ مشہور کتب حدیث میں سے کسی میں اس کے متعلق کوئی حدیث وارد نہیں ہے، یہ بعض محققین کے نزدیک کسی حدیث کے ضعیف بلکہ موضوع ہونے کی ایک بڑی نشانی ہے، ابن الجوزی فرماتے ہیں:

''یہ قول کتنا صحیح ہے کہ ''جب تم کوئی ایسی حدیث دیکھو جو عقل سلیم یا نقل صحیح کے مباین ہو یا اصول دین کے مناقض ہو تو سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے'' اصول دین کے مناقض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دواوینِ اسلام یعنی مشہور کتب حدیث میں وہ حدیث مروی نہ ہو، (تدریب الراوی، الباعث الحثیث ص ۸۵)

غرض حرم میں کسی نبی کا مدفون ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں، اس سلسلہ میں بعض آثار ضرور مروی ہیں جن کو ازرقی نے ''اخبار مکہ'' ص ۳۹، ۲۱۹، ۲۲۰) میں روایت کیا ہے، لیکن وہ سب موقوف، معضل اور واہی تباہی سندوں سے مروی ہیں، اگرچہ بعض اہل بدعت نے انہیں بڑے طمطراق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جیسے وہ از قسم مسلمات ہوں۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع روایت جسے امام سیوطی نے ''جامع کبیر'' میں ''کِتَابُ الْکُنٰی لِلْحَاکِم '' سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسماعیل علیہ السلام کی قبر مقام حجر میں ہے'' غیر ثابت اور ناقابل ذکر ہے۔

تیسری وجہ، ظاہر وغیر ظاہر قبروں کا حکم

مسجد حرام میں جن قبروں کے وجود کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ سب غیر ظاہر اور نامعلوم ہیں۔اسی واسطے کوئی بھی ان کی طرف رجوع نہیں کرتا،معلوم ہوا کہ قبروں کا حرم میں زیر زمین ہونا کسی فتنہ کا باعث نہیں ہے،لہٰذا مذکورہ آثار سے ظاہر اور نمایاں قبروں پر مسجد بنانے کے حق میں استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے، دونوں میں بہت فرق ہے، ملا علی قاری نے بھی یہی جواب دیا ہے''مرقاۃ شرح مشکوۃ (ج۱ص۴۵٦) میں تحریر فرماتے ہیں''

بیان کیا جاتا ہے کہ مقام حجر میں میزاب کے نیچے اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے اور حطیم میں حجر اسود اور زمزم کے درمیان ستر انبیا کی قبریں ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام وغیرہ کی قبریں ظاہر نہیں ہیں، اس لیے اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

یہ ایک جید عالم اور نکتہ رس فقیہ کا جواب ہے، اس میں اس نکتہ کی طرف اشارہ موجود ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔یعنی مسئلہ زیر بحث میں قبور ظاہرہ کے اعتبار سے حکم لگایا جائے گا، رہیں وہ قبریں جن کا کوئی نام ونشان نہیں ہے تو نظر بظاہر قبروں سے متعلق کسی حکم شرعی کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا بلکہ شریعت ایسا کوئی حکم لگانے سے پرہیز کرے گی، کیونکہ یہ ایک بدیہی اور مشاہد حقیقت ہے کہ زمین کا کوئی خطہ، کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی گود میں قبریں نہ ہوں، گویا پوری روئے زمین ایک ''گورستان'' ہے، قرآن حکیم میں ہے:

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًاۙ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا﴾ [۷۷/المرسلٰت:۲۵،۲٦]

''کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا، زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی''

امام شعبی کا قول ہے:

بَطْنُهَا لِاَمْوَاتِكُمْ وَظَهْرُهَا لِاَحْيَاءِ كُمْ۔ [1]

''زمین کا شکم مردوں کے لیے ہے اور اس کی پشت زندوں کے لئے۔''

ایک شاعر کہتا ہے:

صَاحِ هٰذِهِ قُبُوْرُنَا تَمْلَأُ الرَّحْبَ　　فَأَيْنَ الْقُبُوْرُ مِنْ عَهْدِ عَادِ

---

[1] کتاب الکنیٰ والاسماء للدولابی (۱/۱۹٦) اس کے رجال ثقہ ہیں۔

خَفِّفِ الْوَطْأَ مَا اَظُنُّ اَدِيْمَ الْاَرْضِ مِنْ هٰذِهِ الْاَجْسَادِ
سِرْاِنِ اسْتَطَعْتَ فِي الْهَوَاءِ رُوَيْدًا لَا اخْتِيَالًا عَلٰى رُفَاتِ الْعِبَادِ

ترجمہ: ''اے میرے دوست ہماری یہ قبریں وسیع میدانوں کو بھر رہی ہیں۔ بتاؤ عاد کے عہد سے اب تک کی قبریں کہاں ہیں؟ زمین پر آہستہ چلو، میرا خیال ہے کہ پوری روئے زمین انسانی جسموں سے بنی ہو، فضا میں آہستہ چلنے کی طاقت رکھتے ہو تو بہتر، ورنہ انسانوں کی ہڈیوں پر تکبر کے ساتھ چلنا مناسب نہیں۔

رکھ زمیں پر پاؤں نرمی سے ذرا آہستہ چل
کیا تعجب جان بھی مٹی کے ان ذروں میں ہو

یہ حقیقت نہایت واضح ہے کہ قبر اگر بے نام ونشان ہو تو وہاں کسی مفسدہ اور فتنہ کا خطرہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بت پرستانہ حرکتیں اور مشرکانہ رسمیں اونچی قبروں پر ہی انجام پاتی ہیں، خواہ وہ فرضی ہی کیوں نہ ہوں اور کسی بے نام ونشان قبر کے پاس خواہ وہ حقیقی ہی کیوں نہ ہو، کوئی نہیں جاتا، اس لیے حکمت تشریع کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں کا حکم یکساں نہ ہو۔ چنانچہ شریعت محمدی نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، پس ظاہر ونمایاں قبروں اور بے نام ونشان قبروں دونوں کا ایک ہی حکم قرار دینا باطل ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

پانچواں شبہ

پانچواں شبہ یہ ہے کہ صحابی رسول حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی قبر پر مسجد تعمیر کی تھی۔

جواب

یہ شبہ تو لائق ذکر بھی نہ تھا اور اگر ایک بندۂ نفس معاصر نے اس تارِ عنکبوت کے سہارے محکم احادیث کو رد کرنے کی ناروا اور ناکام سعی نہ کی ہوتی تو میں اس کی تردید وتنقید میں روشنائی اور کاغذ ضائع نہ کرتا، بہرحال بادل ناخواستہ دو جواب سپرد قرطاس کر رہا ہوں۔

پہلا جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ ہی سرے سے بے بنیاد ہے۔ اس کی کوئی ایسی سند نہیں جو دلیل وحجت بن سکے، صحاح، مسانید وغیرہ کتب احادیث ''بناء مزعوم'' کے

ذکر سے یکسر خالی ہیں، البتہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے الاستیعاب (۴/۲۱،۲۳) میں ایک مرسل سند سے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ابوبصیر و ابوجندل رضی اللہ عنہما کا واقعہ

صلح حدیبیہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں تین دن قیام فرمایا، پھر مدینہ واپس ہوئے (ادھر جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے، چونکہ کفار ان کو سخت تکلیفیں دیتے تھے، اس لیے وہ بھاگ کر مدینہ آنے کی کوشش کرتے تھے، سب سے پہلے) ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھاگ کر مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی بھیجے کہ حسب معاہدہ [1] ہمارا آدمی واپس کر دیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس فرما دیا، ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں مسلمان ہو کر آیا ہوں آپ مجھے کافروں کے پنجۂ ستم میں واپس بھیجیں گے کہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس کی کوئی سبیل پیدا کرے گا۔ صبر کرو، ابوبصیر مجبوراً دونوں کافروں کی حراست میں واپس ہوئے۔ مقام ذوالحلیفہ پر پہنچ کر دونوں کافر کچھ کھانے پینے کے لیے ٹھہرے، ابوبصیرؓ نے ایک سے کہا، یار تمہاری یہ تلوار بڑی عمدہ ہے، وہ کافر تلوار نیام سے نکال کر کہنے لگا ہاں بہت نفیس ہے، بہت سے لوگوں پر میں اس کا تجربہ کر چکا ہوں۔ حضرت ابوبصیرؓ نے کہا ذرا میں بھی دیکھوں، اس نے تلوار آپ کے حوالہ کر دی، آپ نے موقعہ پا کر اسی کافر پر تجربہ کر لیا اور اس کا کام تمام کر دیا، دوسرا کافر بھاگ کر مدینہ آیا، مسجد نبوی میں پہنچا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر نظر پڑی، دیکھتے ہی فرمایا ''اس پر کوئی افتاد آ پڑی ہے، چنانچہ خدمت اقدس میں پہنچ کر اس نے شکایت کی کہ میرا ساتھی قتل کر دیا گیا، اب میرا نمبر تھا، اتنے میں حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی آ پہنچے اور عرض پرداز ہوئے کہ آپ نے معاہدے کے مطابق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا ہے، اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ تو آتش جنگ بھڑکا دینے والا ہے اگر اس کو کوئی معاون مل جائے'' یہ جملہ سن کر حضرت ابوبصیر سمجھ گئے کہ انہیں دوبارہ

---

[1] معاہدہ صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ جو کافر یا مسلمان مکہ سے مدینہ چلا جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا لیکن جو مسلمان مدینہ سے مکہ چلا جائے گا وہ واپس نہ کیا جائے گا۔ (مترجم)

واپس کر دیا جائے گا، اس لیے مدینہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے (مقام عیص) میں پڑاؤ ڈال دیا، ادھر حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ بھی قریش کی زد سے کسی طرح نکل آئے اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے آ ملے۔''

(اور اب یہ ہونے لگا کہ قریش کا جو بھی مسلمان مکہ سے جان اور ایمان بچا کر نکلتا تو وہ سیدھا ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے جا ملتا۔ رفتہ رفتہ ان کی پوری جمعیت تیار ہوگئی، یہ لوگ یہ کرتے کہ قریش کا جو بھی قافلہ شام جانے والا انہیں ملتا اس کا راستہ روک کر اس کے مال واسباب پر قبضہ کر لیتے اور قافلے والوں کو قتل کر ڈالتے، عاجز آ کر قریش نے اللہ کا واسطہ اور رشتہ داری اور قرابت کی دہائی دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ان لوگوں کو مدینہ بلوا بھیجیں اب جو بھی آپ کے پاس پہنچے گا مامون ومحفوظ رہے گا)

یہاں تک بروایت زہری بیان کرنے کے بعد ابن عبدالبر آگے فرماتے ہیں کہ موسیٰ بن عقبہ نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، انہوں نے اس واقعہ کے اخیر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ابوجندل رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو لکھا کہ تم سب یہاں مدینہ چلے آؤ، مکتوب نبوی ابوجندل کے پاس اس وقت پہنچا جب ابوبصیر زندگی کے آخری لمحات سے گزر رہے تھے، انہوں نے مکتوب گرامی ہاتھ میں لیا پڑھنا شروع کیا اور اسی حال میں جاں بحق ہو گئے، ابوجندل رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں دفن کیا اور ان کی قبر پر ایک مسجد تعمیر کر دی۔'' (استیعاب ابن عبدالبر)

تنقید

اس روایت کا مدار زہری پر ہے، وہ صغار تابعین سے ہیں، ان کو انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے لقاء وسماع حاصل ہے، مگر اس روایت میں انہوں نے کسی صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا، اس لیے یہ روایت مرسل ہے اور اس اعتبار سے کہ زہری عموماً تابعین سے روایت کرتے ہیں، یہ روایت معضل ہوگی۔

بہر حال معضل ہو کہ مرسل عندالمحدثین کوئی بھی حجت نہیں، اس لیے یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے، مستزاد برآں یہ کہ درحقیقت خط کشیدہ زیادتی منکر ہے۔ کیونکہ یہ

قصہ امام بخاری نے جامع صحیح میں اور امام احمد نے مسند (۴/ ۳۳۱، ۳۳۸) میں بہ طریق عَبْدِالرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَۃُ بْنُ الزُّبَیْرِ عَنِ الْمِسْوَرِ ابْنِ مَخْرَمَۃَ وَمَــرْوَانَ ۔ متصلاً روایت کیا ہے اور کسی میں یہ زیادتی نہیں ہے، ایسے ہی ابن اسحاق نے سیرت میں زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے اس میں بھی یہ زیادتی نہیں ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام :۳/ ۳۳۱، ۳۳۹) اور مسند احمد (۴/ ۳۲۳، ۳۳۶) میں بہ طریق ابن اسحاق عن الزہری عن عروۃ متصلاً مروی ہے وہاں بھی یہ فقرہ نہیں ہے۔ ایسے ہی ابن جریر نے تاریخ (۳/ ۲۷۱، ۲۸۵) میں بہ طریق معمر وابن اسحاق وغیرہما عن الزہری یہ قصہ روایت کیا ہے اس میں بھی مذکورہ زیادتی نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ پوری طرح ثابت ہوگیا کہ یہ زیادتی ابو جندل نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی قبر پر مسجد تعمیر کر دی، منکر ہے، اس کی سند معضل ہے اور ثقات نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔ (وَاللّٰہُ تَعَالٰی ھُوَ الْمُوَفِّقُ)

دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی صحیح ثابت ہو جائے تب بھی اس کے سہارے ان احادیث کثیرہ کو رد نہیں کیا جاسکتا جو بناء مساجد علی القبور کی حرمت پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں کیونکہ:

اولاً مذکورہ واقعہ میں یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جندل رضی اللہ عنہ کے فعل کی اطلاع ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

ثانیاً اگر ہم یہ مان لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی مگر آپ نے کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، تو ضرور ہے کہ ہم اسے ماقبل تحریم پر محمول کریں، کیونکہ احادیث میں یہ صراحت ہے کہ قبروں پر مسجد بنانے کی حرمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے آخری لحات میں بھی بیان فرمائی ہے، اس لیے ایک متقدم نص کی بنا پر اگر چہ وہ صحیح ہو، کسی متاخر نص کو ترک نہیں کیا جائے گا، بلکہ دونوں میں تعارض ہو تو پہلا حکم منسوخ اور دوسرا ناسخ ہوگا۔ اللہ نفس کی پیروی سے محفوظ رکھے۔

چھٹا شبہ

چھٹا شبہ یہ ہے کہ قبر پر مسجد تعمیر کرنے کی ممانعت کی علت بس یہ تھی کہ اس سے لوگوں کے قبر پرستی کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اب یہ علت باقی نہیں رہی اس لیے ممانعت و حرمت بھی منسوخ ہوگئی۔

مؤلف ''احیاء المقبور'' شیخ ابوالفیض غماری کے علاوہ کسی عالم نے بھی میں نہیں جانتا کہ یہ دلیل پیش کی ہو۔ تنہا مؤلف موصوف ہی ہیں جنھوں نے احادیث صحیحہ اور اجماع امت کو رد کر دینے کے لیے اس دلیل مزعوم کا سہارا لیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''قبروں پر مسجد بنانے کی نہی و ممانعت کی بالاتفاق دو علت ہے، ایک یہ کہ یہ مسجد کے نجس ہونے کا باعث ہے [1] اور دوسری علت جو اکثر علما بلکہ تمام علما حتی کہ ان علما کے نزدیک بھی جنہوں نے پہلی علت بیان کی ہے، مسلم ہے، یہ ہے کہ قبر پر مسجد بنانا فتنہ و گمراہی کا سبب ہے، کیونکہ جب کسی مسجد کے اندر کسی بزرگ کی قبر ہوگی جو خیر و تقویٰ اور پرہیز گاری کے لیے مشہور ہو تو امتداد زمانہ کے ساتھ اُن کی قبر سے جاہلوں کی عقیدت بڑھتی جائے گی اور اگر قبر قبلہ کی جانب ہوئی تو یہ عقیدت و تعظیم کا غلو اسے قبلہ بنا دے گا حتیٰ کہ نمازوں میں بھی اسی کو مرکز توجہ اور مقصود بنا لیا جائے گا اور قصداً اسی کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھی جانے لگیں گی اور یوں یہ چیز لوگوں کو صریح کفر و شرک تک پہنچا دے گی۔

اس دوسری علت کے ثبوت میں امام شافعیؒ اور بعض دوسرے علما کے اقوال نقل کرنے کے بعد ص ۲۰، ۲۱ پر لکھتے ہیں:

''مومنین کے دلوں میں ایمان کے رسوخ، توحید خالص پر ان کی نشو و نما اور تربیت اور اس عقیدہ کے راسخ ہو جانے کی وجہ سے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، وہ خلق و ایجاد اور تصرف میں متفرد ہے، علت مذکورہ مرتفع ہو چکی ہے اور جب علت باقی نہیں رہی تو اس پر مبنی حکم یعنی

---

[1] یہ علت بھی متعدد وجوہ سے باطل ہے جن کے بیان کا یہ موقع نہیں، خصوصاً قبور انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ علت بیان کرنا تو نری جہالت ہے...... کیونکہ بحدیث صحیح ثابت ہے کہ انبیا کے پاکیزہ اجسام قبروں میں بعینہٖ محفوظ رہتے ہیں۔ بوسیدہ نہیں ہوتے، تو پھر ان سے زمین کے نجس ہونے کا کیا سوال؟

انبیا و صالحین کی قبروں پر مشاہد و مساجد تعمیر کرنے کی کراہت بھی باقی نہ رہے گی۔

جواب

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

پہلے یہ ثابت کرو کہ مذکورہ خطرہ ہی نہی بناء مساجد علی القبور کی واحد علت ہے، پھر یہ ثابت کرو کہ یہ علت باقی نہیں رہی، تب کہیں جا کے یہ مدعیٰ ثابت ہوسکتا ہے کہ قبروں پر مسجد بنانے کی نہی و ممانعت ختم ہوگئی۔

لیکن یہاں سرے سے اس امر کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے کہ مذکورہ خطرہ ہی نہی کی واحد علت ہے۔ ہاں، نہی کی علتوں میں سے ایک علت وہ بھی ہے، لیکن تنہا اسی کو مدار نہی قرار دے دینا غلط ہے، بلکہ دوسری معقول علتیں بھی ہیں، مثال کے طور پر تشبہ بالنصاریٰ جیسا کہ فقیہ ہیثمی اور علامہ امیر یمانی کے کلام میں اس کی تصریح گزر چکی ہے اور اسراف اور تضییع مال وغیرہ وغیرہ جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں، اسی طرح انتفاء علت کا دعویٰ بھی متعدد وجوہ و دلائل سے باطل ہے۔

صرف توحیدِ ربوبیت نجات کے لیے کافی نہیں

پہلی دلیل یہ ہے کہ اس دعویٰ کی بنیاد ہی ایک باطل اصل پر ہے، وہ اصل یہ ہے کہ بس یہ ایمان رکھنا کہ اللہ ہی تنہا کائنات کا خالق و موجد ہے، نجات کے لیے کافی ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، توحید کی اس قسم کو علما توحیدِ ربوبیت کہتے ہیں، اس پر وہ مشرکین بھی ایمان رکھتے تھے۔ جن کی ہدایت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط﴾

(۳۱/لقمان: ۲۵)

''اے نبی اگر تم ان کافروں سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو بلاشبہ وہ کہیں گے کہ اللہ ہے۔''

مگر اس توحید ربوبیت کے اقرار نے ان کفار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، کیونکہ وہ توحیدِ الوہیت اور توحید عبادت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، بلکہ اس کا سختی سے انکار کرتے تھے اور صرف ایک خدا کی عبادت و بندگی کے قائل نہ تھے، وہ کہتے تھے:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ [۳۸/ص:۵]

''کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا۔''

اسلامی توحید

توحید الوہیت اور توحید عبادت کا مطلب اور مقتضیٰ یہ ہے کہ استغاثہ واستعانت دعا والتجا، نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ عبادت کی تمام قسمیں جو درحقیقت اللہ کے لیے خاص ہیں، کسی غیر اللہ کے لیے انجام نہ دی جائیں، ان عبادات میں سے کسی کو اگر کسی نے غیر اللہ کے لیے انجام دیا تو اس نے اللہ کا ند اور ہمسر قرار دیا اور وہ مشرک ہے، اگرچہ وہ توحید ربوبیت کا اقرار کرتا ہو، بہرکیف اسلامی توحید اور ایمان منجی توحید ربوبیت اور توحید الوہیت وعبادت، بیک وقت دونوں پر ایمان رکھنا ہے، صرف توحید ربوبیت پر ایمان نجات کے لیے کافی نہیں، یہ بحث عقائد کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ملے گی۔

ایمان صحیح کا فقدان

اس توضیح کو نظر میں رکھتے ہوئے تم دیکھ سکتے ہو کہ بہت سے مدعیانِ ایمان و اسلام توحیدِ ربوبیت پر تو ایمان رکھتے ہیں مگر ان کے قلوب میں ''ایمان صحیح'' راسخ نہیں ہے، وہ توحید الوہیت وعبادت پر ایمان کے تقاضوں کو جانتے ہی نہیں، مثالوں کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں، مؤلف ''احیاء المقبور'' (شیخ غماری) کا بیان ہی کافی ہے، چنانچہ وہ ص ۲۱، ۲۲ پر لکھتے ہیں:

''ہم دیکھتے ہیں کہ عوام اولیا کی قسمیں کھاتے ہیں اور ان کے بارے میں ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہیں جو بلا شبہ ظاہر بلکہ حقیقتاً صریح کفر ہوتی ہیں۔ مراکش (اور ہندو پاک کے بھی) بہت سے جاہل عوام شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتے ہیں جو صریح کفر ہے اور بعض لوگ قطبِ اکبر صوفی عبدالسلام بن مشیش کے بارے میں کہتے ہیں کہ

انہوں نے دین و دنیا کو پیدا کیا اور بعض لوگ جب تیز بارش ہوتی ہے تو کہتے ہیں ''ہمارے مولا عبدالسلام! اپنے بندوں پر لطف و کرم کیجئے حالانکہ یہ سب کفر ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ)

میں کہتا ہوں یہ کفر مشرکین کے کفر سے بھی شدید تر ہے کیونکہ یہ اللہ کی ربوبیت میں صریح شرک ہے، شرک کی یہ قسم تو مشرکین کے یہاں بھی نہیں پائی جاتی، رہا شرک فی الالوہیت والعبادت تو جاہل نام نہاد مسلمانوں کی بھاری تعداد اس میں مبتلا ہے، یہ ہے آج ایمان صحیح کے فقدان اور مسلمانوں کی بدعقیدگی کا حال اور اب سے پہلے بھی یہ صورت حال موجود رہی ہے۔ پھر شیخ غماری کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ ''مومنین کے دلوں میں ایمان صحیح راسخ ہو چکا ہے، اس لیے حرمتِ بناء مساجد علی القبور کی علت باقی نہیں رہی'' یعنی قبروں پر مسجد بنانے سے اب لوگوں کے شرک، قبر پرستی اور مردہ پرستی وغیرہ میں گرفتار ہونے کا خطرہ نہیں ہے حالانکہ یہ متوقع خطرہ نہیں بلکہ واقع ہے، اسے سر کی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔

شیخ غماری کی ''مومنین'' سے مراد اگر صحابہ ہیں تو بے شک صحابہ حقیقی مومن تھے، اسلامی توحید کی حقیقت سے پوری طرح واقف تھے اور بے شک ان کے قبر پرستی اور مردہ پرستی وغیرہ کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن شریعتِ اسلامیہ ہمہ گیر اور ابدی شریعت ہے۔ صحابۂ کرام کے زمانہ میں اگر یہ خطرہ نہ رہا ہو، بشرطیکہ یہ ثابت ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ کے بعد کے لوگوں کے حق میں بھی وہ خطرہ باقی نہیں رہا، بلکہ واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ صحابہ کے بعد بھی وہ خطرہ بلا انقطاع موجود رہا ہے اور ہے اور یہی خطرہ نہی مذکور کی علت ہے، اس لیے انتفائے علت کا دعویٰ محض خام خیالی ہے۔

دوسری دلیل

فصل اول کی احادیث سے یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قبروں پر مسجد بنانے سے اپنی زندگی کے آخری اوقات بلکہ مرض الموت میں منع فرمایا تھا، اس نہی و ممانعت کی علت اگر بقول غماری مومنین کے دلوں میں ایمان صحیح راسخ ہو جانے کی وجہ سے زائل ہوگئی ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ کب زائل ہوئی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد؟ تو یہ اس عقیدہ کے بالکل مناقض ہے جس پر پوری امت کا اجماع ہے،

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تمام زمانوں سے بہتر ہے ((خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ)) کیونکہ یہ شق اس بات کو مستلزم ہے کہ حیات نبوی میں صحابۂ کرام کے دلوں میں ایمان صحیح راسخ نہیں ہوا تھا اس لیے قبروں پر مسجد بنانے کی نہی وممانعت برقرار رہی اور آپ کی وفات کے بعد اسلامی توحید صحابہ کے دلوں میں راسخ ہوگئی تو نہی مذکور کی علت (شرک و بدعقیدگی میں مبتلا ہونے کا خطرہ) جاتی رہی اس لیے نہی بھی باقی نہیں رہی، میں تصور بھی نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص یہ بات زبان پر بھی لائے گا کیونکہ اس کا باطل ہونا اظہر من الشمس ہے۔

اور اگر دوسری شق اختیار کیجیے اور کہیے کہ علتِ نہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی زائل ہوگئی تھی تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے بالکل آخری وقت میں بھی نہی فرمائی تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں علت کے انتفا اور نہی کے منسوخ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس جواب کی تائید وجہ ثالث سے بھی ہوتی ہے۔

تیسری دلیل

تیسری وجہ بطلان یہ ہے کہ بعض حدیثوں میں یہ صراحت ہے کہ قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت قیامت تک کے لیے ہے، ملاحظہ ہو فصل اوّل کی بارہویں حدیث۔

چوتھی دلیل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرۂ نبوی میں دفن کیا گیا اور کھلی جگہ اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ مبادا آپ کی قبر کو کہیں مسجد بنالیا جائے۔ میدان میں اس کی دار و گیر مشکل تھی، صحابۂ کرام کو یہ اندیشہ اگر اپنی نسبت تھا تو بعد کے مسلمانوں سے خوف اور بھی زیادہ ہے اور اگر یہ خوف بعد کے لوگوں کے متعلق تھا اور یہی صحیح ہے تو یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ صحابۂ کرام کے نزدیک قبر کو مسجد بنانے کی نہی وممانعت کی علت زائل نہیں ہوتی ہے۔ نہ ان کے زمانہ میں، نہ ان کے بعد، اس لیے اس پر مبنی نہی مذکورہ بھی باقی رہے گی۔ یہ ہے صحابہ کی رائے۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنا اس پر کھلی گمراہی ہے، اس کی تائید پانچویں دلیل سے بھی ہوتی ہے۔

پانچویں دلیل

بقائے علت کی پانچویں دلیل یہ ہے کہ سلف کا اسی حکم (قبروں کو مسجد بنانے کی ممانعت کا حکم) پر برابر عمل رہا، ان کے عمل کا یہ تواتر یہ ثابت کرتا ہے کہ علت سابقہ یعنی فتنہ و گمراہی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ باقی ہے، کیونکہ اگر علت منتفی ہو گئی ہوتی تو اس کے معلول پر اس استمرار کے ساتھ تعامل باقی نہ رہتا، یہ حقیقت نہایت واضح ہے۔

ہم تعاملِ سلف کے ثبوت میں کچھ آثار ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

آثار سلف

❶ عبداللہ بن شرحبیل بن حسنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ قبروں کو برابر کر دینے کی ہدایت فرما رہے ہیں، ان سے کہا گیا اور یہ آپ کی صاحبزادی ام عمرو کی قبر ہے، آپ نے اسے بھی برابر کر دینے کی تاکید فرمائی، سو اسے بھی برابر کر دیا گیا۔ ❶

❷ ابوالھیاج اسدیؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: ''میں تمہیں اس مہم پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا وہ یہ کہ کسی مجسمہ کو مٹائے بغیر نہ رہو اور کسی قبر کو زمین کے برابر کئے بغیر نہ چھوڑو۔'' ❷

قبر کتنی اونچی ہو؟

قبر کو بالشت دو بالشت اونچی بنانا کہ وہ ممتاز رہے اور اس کی بے حرمتی نہ ہو، مشروع ہے اور حدیثوں سے ثابت ہے، حدیث مسطورہ بالا اس حکم شرعی کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر پر جو بناء و تعمیر ہو (قبہ وغیرہ) اسے ڈھا

❶ مصنف ابن ابی شیبہ (۴/ ۱۳۸) مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ دمشق، تاریخ ابی زرعہ (۲/ ۶۶، ۱۲۱) بہ سند صحیح عن عبداللہ بن شرحبیل، عبداللہ کا تذکرہ ابن ابی حاتم نے ''کتاب الجرح والتعدیل'' میں کیا ہے اور ان کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل نقل نہیں کی ہے، تاریخ ابی زرعہ کا فوٹو شدہ نسخہ ''المجمع العلمی العربی'' دمشق میں موجود ہے۔

❷ مسلم (۱/ ۳۱۲) ابوداود (۲/ ۴۲) ترمذی (۱/ ۱۳۶) بیہقی (۴/ ۳) مسند طیالسی (۱/ ۱۶۸) مسند احمد بطرق کثیرہ (۶۵۷، ۶۵۸، ۷۴۱، ۸۸۹، ۱۰۶۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۳۸:۔) مصنف ابن ابی شیبہ (۴/ ۱۳۶) معجم صغیر طبرانی (۲۹)

دیا جائے، اس حدیث کا اس کے علاوہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ملا علی قاری حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

''قبر پر جو بناء وتعمیر وغیرہ ہو اسے زمین کے برابر کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس اونچائی کو نہیں جو قبر کی علامت اور حفاظت کی خاطر ہوتی ہے۔ الازھار میں لکھا ہے کہ علما نے کہا ''قبر کو بالشت دو بالشت اونچی بنانا مستحب ہے'' اس سے اونچی بنانا مکروہ ہے۔ بلکہ اس سے اونچی ہو تو اسے ڈھا دینا مستحب ہے، کتنی ڈھا دی جائے اس میں البتہ اختلاف ہے، بعض علما کا کہنا ہے کہ لوگوں کو تنبیہ وتہدید اور عبرت کے واسطے حد شرعی سے اونچی قبروں کو ڈھا کر بالکل زمین کے برابر کر دینا چاہیے۔ یہی رائے حدیث شریف کے لفظ ''سویتہٗ'' کے زیادہ قریب ہے۔ (مرقاۃ ۲/۳۷۲، تحفۃ الاحوذی ۲/۱۵۴)

غماری کی تشکیک وتاویل

مذکورہ حدیث میں چونکہ شیخ غماری (وغیرہ قبر پرستوں) کے مذہب کی صاف صاف تردید ہے، اس لیے انہوں نے اس سے پیچھا چھڑانے کی دو طرح کوشش کی ہے۔

اولاً: حدیث کی ایسی تاویل کی ہے کہ وہ ان کے مذہب کے موافق ہو جائے۔

ثانیاً: اس حدیث کے ثبوت ہی میں شک وشبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں ''دو باتوں میں سے ایک بہر حال لازم ہے یا یہ حدیث ثابت ہی نہیں ہے یا ظاہر معنی پر محمول نہیں ہوگی۔'' (احیاء المقبور ص ۵۷)

جواب شافی

اس حدیث کا ثبوت اور اس کی صحت شک وشبہ سے بالاتر ہے، یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے، صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، لیکن یہ خواہش نفسانی کے پیرو، حدیث کی تصحیح وتضعیف میں علمی اصول وقواعد کا کہاں التزام کرتے ہیں؟ وہ تو جو حدیث ان کے خلاف پڑے گی، خواہ وہ کتنی ہی صحیح ہو اسے خواہ مخواہ ضعیف ٹھہرانے کی کوشش کریں گے۔ جیسے یہ حدیث [1] اور جو مفید ہوگی خواہ وہ کیسی ضعیف ہو اسے صحیح اور قابل عمل قرار دیں گے

---

[1] ایک رافضی نے بھی اپنی کتاب ''کشف الارتیاب'' میں اس حدیث کو صراحتاً ضعیف کہا ہے (بقیہ اگلے صفحے پر)

اس کی بعض مثالیں آئندہ بھی آئیں گی۔

شیخ غماری نے حدیث مذکور کو مفید مطلب بنانے کے لیے متعدد تاویلیں کی ہیں، قوی تر تاویل یہ ہے کہ ''اس حدیث کا ظاہر معنی بالاتفاق مراد نہیں ہے کیونکہ ائمہ دین بالاتفاق قبروں کو زمین کے برابر بنانے کو مکروہ اور ایک بالشت اونچی بنانے کو مستحب کہتے ہیں۔''

تعجب ہے کہ تقلید کو حرام اور اجتہاد کا دعویٰ کرنے والا یہ شخص احادیث نبویہ میں، بزعم خویش انہیں اقوال ائمہ کے موافق بنانے کے لئے، کیسی ہیرا پھیری اور کیسی کیسی بیجا تاویلیں کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ تاویلات اجتہاد صحیح کے بالکل خلاف ہیں۔

حدیث زیر بحث (یعنی حدیث علی) ائمہ کے متفق علیہ قول کے خلاف ہے ہی نہیں کیونکہ اس میں اونچی قبروں کو برابر کر دینے کا حکم ان قبروں کے ساتھ مخصوص ہے جن پر کوئی عمارت وغیرہ بنی ہوئی ہو۔ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہدیداً و تغلیظاً دیا ہے۔ البتہ بوقت دفن قبر کو زمین کے برابر بنانا باتفاق ائمہ مکروہ ہے اور بالشت دو بالشت اونچی بنانا مستحب ہے، مگر حدیث مذکور میں اس صورت کا حکم نہیں بیان کیا گیا ہے، اس لیے حدیث اور ائمہ کے اتفاق و اجماع کے درمیان کوئی تناقض ہے ہی نہیں، کیونکہ دونوں کا مورد مختلف ہے۔

بعد ازاں غماری نے تاویل مذکور کی تائید میں شافعیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسویہ سے مراد قبر کو زمین کے بالکل برابر کر دینا نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ اونچی قبروں کو مسطح بنا دیا جائے، یہ تاویل اس لیے ضروری ہے کہ اس طرح مختلف احادیث میں جمع و تطبیق ہو جائے گی۔

حالانکہ شافعیہ کا یہ قول اگر مان بھی لیا جائے تو یہ بھی غماری کے لیے مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ کیونکہ آنجناب تسطیح (زمین سے ذرا اونچی اور مسطح بنانے) کو واجب نہیں سمجھتے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر قبر کو بلند سے بلند بنانے بلکہ اس پر قبہ و مسجد تعمیر کرنے کو بھی مستحب کہتے ہیں۔

غماری نے حدیث کا آخری جواب دیتے ہوئے لکھا ہے ''اس حدیث کا صحیح

گزشتہ سے پیوستہ:۔ اور مسلم کی سند پر زبان طعن دراز کی ہے، حالانکہ اس حدیث کے تمام رواۃ ثقہ ہیں، اسی طرح کوثری جہمی نے بھی اس حدیث کی صحت کو نشانہ بنایا ہے، (مقالات کوثری ص ۱۵۹) دیکھا یہ نفس زدہ اپنے اختلاف مذاہب کے باوجود صحیح حدیث کو بلا وجہ محض خواہشات نفس کی پیروی میں رد کر دینے پر کیسا متفق ہیں؟

مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار و مشرکین کی ان قبروں کو زمین کے برابر کردینے کا حکم دیا تھا جن کی وہ لوگ جاہلیت میں تقدیس و بزرگی کے قائل تھے، وہ صحابہ کے فتح کردہ بلاد کفار میں واقع تھیں، اس تخصیص کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں قبور کے ساتھ تماثیل (مجسموں) کا بھی ذکر ہے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ مسند احمد کی ایک روایت میں یہ صراحت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے اطراف میں بھیجا تھا اور آپ مدینہ میں ہی تشریف فرما تھے، لہٰذا یہ دعویٰ کہ مذکورہ مہم کا تعلق بلاد کفار سے تھا، باطل ہے۔ پھر حدیث مذکور سے ہمارا استشہاد و استدلال یوں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو جاری رکھا اور اپنے چیف کمانڈر ابوالھیاج اسدی کو اس پر تعینات کیا، پس ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسا کہ پہلے اثر میں مذکور ہے۔ دونوں یہ یقین رکھتے تھے کہ قبروں کو زمین کے برابر کردینے کا حکم نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے، ہرگز منسوخ نہیں ہوا ہے۔

۴ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں یہ وصیت فرمائی "کہ میرے جنازے کو تیز لے چلنا ساتھ میں آگ نہ لے جانا، میرے اور قبر کی مٹی کے درمیان (کفن کے سوا) کوئی چیز حائل نہ کرنا اور میری قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مصیبت پر بال نوچنے والی، چیخنے چلانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے بیزار اور بری ہوں، لوگوں نے پوچھا اس سلسلہ میں آپ نے کچھ سنا ہے انہوں نے کہا ہاں! رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔[1]

۴ حضرت انس رضی اللہ عنہ قبروں کے درمیان مسجد بنانے کو حرام سمجھتے تھے۔[2]

۵ حضرت ابراہیم نخعیؒ قبر پر مسجد بنانے کو مکروہ (یعنی حرام) قرار دیتے تھے۔[3]

حضرت ابراہیم بن یزید نخعی جلیل القدر امام اور صغار تابعین سے ہیں۔ ۹۶ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے، انہوں نے یہ حکم بلا شبہ کبار تابعین یا ان صحابہ سے اخذ کیا ہوگا جن

[1] مسند احمد (۴/ ۳۹۷) بہ سند قوی۔ [2] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۵۸) اس کے تمام رواۃ بخاری و مسلم کے رواۃ ہیں، اس اثر کو ابوبکر بن الاثرم نے بھی روایت کیا ہے۔ فتح الباری لابن رجب (۶۵/ ۸۱/ ۱) من الکواکب) مصنف ابن ابی شیبہ بسند صحیح (۴/ ۱۳۴) [3] مصنف ابن ابی شیبہ (بسند صحیح (۴/ ۱۳۴)

سے انہیں شرف ملاقات حاصل ہے۔

یہ اثر قطعی دلیل ہے اس امر کی کہ صحابۂ کرام اور کبار تابعین بھی حکم مذکور کے بقاو استمرار کا عقیدہ رکھتے تھے۔ پھر یہ حکم اگر منسوخ ہے تو آخر کب منسوخ ہوا؟

❼ حضرت معرور بن سوید بیان فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے لیے گئے، انہوں نے نماز فجر میں سورۂ فیل اور سورۂ قریش پڑھی، ادائیگی حج کے بعد واپس ہونے لگے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک طرف کو دوڑے چلے جارہے ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ادھر ایک مسجد ہے جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نماز ادا فرمائی تھی (لوگ اسی میں نماز پڑھنے کے لیے جارہے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک (گمراہ) ہوئے کہ انہوں نے انبیا کے آثار کو عبادت گاہ بنالیا، خبردار! اس مسجد میں جو نماز کے وقت پہنچ جائے تو اس میں نماز پڑھ لے، ورنہ آگے بڑھ جائے، خصوصیت کے ساتھ اس میں نماز پڑھنے کا اہتمام نہ کرے۔ ❶

حضرت نافع رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس درخت کی زیارت کو جاتے ہیں جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت ہی کو کٹوا دیا۔ ❷ (نہ رہے بانس نہ بجے بانسری)

❽ حضرت قزعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا، کوہ طور کی زیارت کو جاسکتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا نہیں، تین مسجدوں (مسجد حرام، مسجد اقصی اور مسجد نبوی) کے علاوہ کسی اور جگہ کے لیے (بہ ارادۂ طلب برکت) شد رحال (خصوصیت سے سفر کرنا) جائز نہیں (مصنف ابن ابی شیبہ، اخبار مکہ ازرقی ص ۳۰۴، اس کی سند صحیح ہے)

---

❶ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۸۷۱) اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ ❷ ایضاً (۲/ ۳۷۲) اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں لیکن اس کی سند منقطع ہے، نافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے، ممکن ہے درمیانی واسطہ عبداللہ بن عمر ہوں۔

شجرۃ الرضوان، تحقیق انیق

(شجرۃ الرضوان [illegible]) روایت مشہور تو بہت ہے مگر صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس کی سند بھی منقطع ہے [illegible] تاریخ سے خلاف بھی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

❾ اسی کے مثل ایک روایت حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ❶

❿ حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک میں ایک کھڑکی کے پاس آتا جو قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اور اس کھڑکی سے اندر داخل ہو کر دعا کرتا آپ نے اسے روکا اور فرمایا۔ آؤ میں تمہیں ایسی حدیث سناتا ہوں جسے میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے میرے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ

گزشتہ سے پیوستہ ...... ① صحیح بخاری (کتاب الجہاد) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہم جب آئندہ سال مکہ آئے تو دو آدمی بھی اس درخت کے پاس جمع نہیں ہوئے جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی، یہ اللہ کی بڑی رحمت ہوئی۔

یعنی شجرۃ الرضوان کی تعیین اور پہچان ہی باقی نہ رہی، یہ بیان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مذکورہ واقعہ یعنی لوگوں کا شجرۂ رضوان کی زیارت کو جانا اور حضرت عمر کا اس کو کٹوا دینا صحیح نہیں ہے۔

② صحیح بخاری (کتاب المغازی) میں سعیدؒ بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ ان کے والد مسیب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا "میں نے اس درخت کو دیکھا تھا جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی، مگر اس کے بعد مکہ آیا تو اس درخت کو نہ پہچان سکا۔

اور طارق بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں حج کو گیا، ایک جگہ کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پوچھا نماز پڑھنے کی یہ کون سی خاص جگہ ہے؟ ان لوگوں نے بتایا یہی وہ درخت ہے جس کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت رضوان ہوئی تھی، اس کے بعد میں حضرت سعید بن مسیب کے پاس آیا اور یہ قصہ بیان کیا تو وہ ہنسنے لگے اور فرمایا "میرے والد حضرت مسیب رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں شریک تھے، ان کا بیان ہے کہ "جب ہم صلح حدیبیہ کے بعد آئندہ سال مکہ آئے تو درخت (شجرۃ الرضوان) کو نہ پا سکے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا" وہ درخت ہم پر مشتبہ اور گڈمڈ ہو گیا" پھر سعید بن مسیب نے فرمایا" اصحاب محمد کو تو اس درخت کا علم نہ رہا جو اس کے عینی شاہد تھے، مگر تم لوگوں کو اس کا علم ہے گویا تم لوگ صحابہ سے زیادہ جانتے ہو؟"

حافظ ابن حجرؒ تعمیہ و اخفاء کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں" اس درخت کے نیچے چونکہ خیر و بھلائی کا ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا تھا، اس لیے خطرہ تھا کہ اس سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے، اس لیے اللہ نے اس درخت کو مشتبہ اور نامعلوم کر دیا کہ فتنہ کا سد باب ہو جائے، اگر متعین اور معلوم ہو جاتا تو اندیشہ تھا کہ بعض نادان اس کی تقدیس و تعظیم کرنے لگتے اور رفتہ رفتہ یہ اس بدعقیدگی کا سبب بن جاتی کہ اس درخت کے اندر نفع و ضرر کی قوت ہے۔ جیسا کہ ہم بعض دوسرے درختوں کے بارے میں مشاہدہ کر رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی حکمت و مصلحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وکانت رحمۃ من اللہ، یعنی اس درخت کا خفا و اشتباہ اللہ کی رحمت تھی۔ (فتح الباری)] ❶ مسند احمد (۲/ ۸) مسند ابویعلی، کتاب التوحید لابن مندہ (۲۶/ ۱۔۲)۔ سند صحیح، میں نے "سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ" اور "ارواء الغلیل" میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔]

سے سنا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''میری قبر کو درگاہ اور اپنے گھروں کو قبرستان مت بنانا، مجھ پر درود بھیجو اور تمہارا درود و سلام تم کہیں بھی رہو مجھ کو پہنچا دیا جائے گا۔ [1]

اس کی تائید درج ذیل اثر سے بھی ہوتی ہے۔

[11] سہیل بن ابی سہیل سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو دیکھا تو اس سے چمٹ گئے اور اس کو مسح کرنے لگے، حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کنکری چلا کر ماری اور کہا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میری قبر کو درگاہ مت بنانا، اپنے گھروں کو قبرستان مت بنانا، تم جہاں بھی رہو، درود و سلام پڑھو، وہ مجھ کو پہنچا دیا جائے گا۔ [2]

[12] مذکورہ الفاظ ہی میں ایک مرفوع حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [3]

[13] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالرحمٰن کی قبر پر شامیانہ لگا ہوا دیکھا تو فرمایا'' بیٹے! اسے ہٹا دو، ان پر ان کا عمل سایہ کر رہا ہے۔ [4]

[14] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کی قبر پر شامیانہ وغیرہ نہ

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۸۳/۲) مسند ابی یعلیٰ (ق ۲/۳۲) المختارہ للمقدسی من طریق ابی یعلی (۲/۸۳/۲) کتاب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم للقاضی اسماعیل (۸۹/۱)

اس حدیث کی سند مسلسل باہل البیت ہے، یعنی سب راوی اہل بیت سے ہیں۔ البتہ ایک راوی علی بن عمر مستور الحال ہے۔ جیسا کہ حافظ نے تقریب میں لکھا ہے۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح ابن خزیمہ (۴۸/۴) تاریخ ابن عساکر (۴/۲۱۷/۱) مصنف عبدالرزاق (۳/۵۷۷، ۶۶۹۴)

سہیل کا تذکرہ ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں کیا ہے اور ان کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی ہے، ان سے دو راویوں کی روایت کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایک محمد بن عجلان (انہی کے طریق سے ابن ابی شیبہ نے یہ حدیث روایت کی ہے) دوسرے سفیان ثوری، ان کے ایک تیسرے شاگرد بھی ہیں، اسماعیل بن علیہ (جن سے ابن خزیمہ نے یہ حدیث روایت کی ہے) یہ ایک نادر فائدہ ہے جو کتب رجال میں نہیں ملے گا۔

غرض سہیل سے تین ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے، اس لیے وہ مجہول نہیں بلکہ معروف راوی ہیں۔ واللہ اعلم۔

[3] ابوداؤد، مسند احمد (۲/۳۶۷) بہ سند حسن، مسند ابی یعلی بسند فیہ نظر۔

تنبیہ: ان حدیثوں میں لفظ تبلغنی (مجھے سلام پہنچا دیا جائے گا) اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں لوگوں کے درود و سلام کو براہ راست نہیں سنتے ہیں جو اس کے خلاف گمان رکھتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام نہیں سنتے تو دوسری باتیں (دعا و التجا) کیسے سنیں گے۔ [4] صحیح بخاری تعلیقاً۔

لگایا جائے۔ [1]

(5) یہی وصیت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی کی تھی۔ [2]

(6) حضرت محمد بن کعب قرظیؒ نے فرمایا "قبروں پر شامیانے وغیرہ لگانا بدعت ہے۔" [3]

(7) حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں یہ وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد میری قبر پر سائبان نہ بنانا۔ [4]

(8) حضرت محمد بن علی ابوجعفر باقرؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر کو اونچی نہ بنانا۔ [5]

مذکورہ آثار میں قدر مشترک

آثار مذکورہ کے معانی و مفاہیم کے درمیان اگرچہ تھوڑا بہت فرق ہے لیکن دو باتیں ان سب میں قدر مشترک کے طور پر موجود ہیں۔ اوّل! یہ کہ قبروں کی ایسی تعظیم شرعاً ممنوع ہے جس سے فتنہ و ضلالت کا خطرہ ہو، مثلاً قبروں پر مسجد اور قبے تعمیر کرنا، ان پر شامیانے اور سائبان لگانا، حد مشروع سے اونچی بنانا، قبروں کی زیارت کیلیے سفر کا اہتمام کرنا، قبروں کو چومنا، چاٹنا اور آثار انبیا سے برکت طلب کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ تمام امور سلف صالحین، صحابہ و تابعین کے نزدیک شرعاً ممنوع اور حرام ہیں، دوم! ان آثار سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مذکورہ صحابہ و تابعین قبروں پر مسجدوں کی تعمیر اور ان کی غیر مشروع تعظیم کی نہی و ممانعت

---

[1] مصنف عبدالرزاق (۳/ ۴۲۸۔ ۶۱۲۹) مصنف ابن ابی شیبہ (۴/ ۱۳۵) وصایا العلما للربعی، طبقات ابن سعد (۴/ ۳۳) اس کی سند صحیح ہے۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ، تاریخ ابن عساکر (۷/ ۹۷) اس کی سند ضعیف ہے مگر ابن عساکر نے اسے متعدد طرق سے روایت کیا ہے ان کے باہمی اعتضاد سے یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

[3] مصنف ابن ابی شیبہ، اس اثر کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں الا ثعلبہ بن الفرات۔ "کتاب الجرح والتعدیل" میں ہے کہ ابوحاتم اور ابوزرعہ نے فرمایا "ہم ان کو نہیں پہچانتے۔"

[4] طبقات ابن سعد (۵/۱۴۲) [5] الکنی والاسماء للدولابی (۱/۱۳۴، ۱۳۵) اس کے بھی جملہ رواۃ ثقہ ہیں۔ البتہ ایک راوی سالم مجہول ہیں، جیسا کہ حافظ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اور حلی شیعی نے خلاصۃ الاقوال (ص ۱۰۸) میں لکھا ہے۔

مولانا دریابادی کی وصیت

مسطورہ بالا آثار صحابہ و تابعین ترجمہ کے کچھ دنوں کے بعد مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کی آپ بیتی" پڑھنے کا اتفاق ہوا اور مولانا کے وصیت نامہ میں یہ فقرہ کہ "میری قبر پر بارش وغیرہ سے حفاظت کے لیے ٹین کی چادریں ڈالی جاسکتی ہیں" پڑھ کر سخت تعجب ہوا۔ (مترجم)

کی علت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی موجود اور باقی سمجھتے تھے، وہ علت بتصریح امام شافعی ضلالت اور مردہ پرستی کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے، جب صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین قبروں پر ہر طرح کی بناء وتعمیر ممنوع قرار دیتے تھے تو ظاہر ہے کہ اس کی علت مذکورہ کا بھی باقی ہونا ان کے نزدیک مسلم ہے، کیونکہ علت ومعلول میں سے ایک کی بقا دوسرے کی بقا کو مستلزم ہے۔

سلف صالحین صحابہ وتابعین میں سے جنہوں نے صراحت کے ساتھ یہ کہا ہے کہ قبروں پر مسجد بنانا مکروہ ہے ان کی نسبت تو مطلع صاف ہے کہ وہ بقائے علت کا عقیدہ رکھتے تھے لیکن جنہوں نے کچھ دوسرے امور کی صراحت کی ہے۔ مثلاً قبروں کو اونچی کرنے یا اس پر شامیانہ وسائبان وغیرہ لگانے کو مکروہ وممنوع کہا ہے، اس سے تو بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی علت مذکور کی بقا واستمرار ہی کا عقیدہ رکھتے تھے کیونکہ:

اوّلاً: قبروں پر مساجد تعمیر کرنا، قبروں کو اونچی کرنے یا ان پر خیمہ وشامیانہ نصب کرنے سے کہیں زیادہ شدید جرم ہے، چنانچہ قبروں پر مسجد تعمیر کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے اور قبروں کو اونچی کرنے اور ان پر شامیانہ وغیرہ لگانے سے بھی بتاکید منع کیا گیا ہے۔ مگر اس پر لعنت کی وعید وارد نہیں ہے۔

ثانیاً: یہ مسلم ہے کہ سلف صالحین صاحب علم وادراک اور دین کے مزاج آشنا تھے، اس لیے جب ان سے کسی ایسی چیز کی نہی وممانعت ثابت ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کردہ شئے سے کمتر ہو تو اگرچہ اس شئے کی نہی وکراہت سلف صالحین سے صراحتاً منقول نہ ہو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شئی بھی ان کے نزدیک ممنوع ومکروہ ہے، کیونکہ قبیح کی ممانعت قبیح تر کی ممانعت کو بدرجۂ اولیٰ مستلزم ہے۔

بہر کیف اس درازنفسی کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ بناء مساجد علی القبور کی نہی و حرمت کی علت کے انتفاع کا دعویٰ اور اس پر خرافات کی تعمیر سب باطل ہے۔ وہ طریقۂ سلف کے خلاف اور احادیث صحیحہ کے مناقض ہے۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

فصل پنجم

قبروں پر مسجد بنانا کیوں حرام ہے؟

ابتدا میں سب لوگ موحد تھے

قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ابتداءً ایک مدت تک نسلِ آدم توحید خالص پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی! پھر آہستہ آہستہ شرک در آیا اور اختلافات رونما ہوئے۔ اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ [۲/البقرۃ:۲۱۳]

''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی امت تھے پھر اختلافات رونما ہوئے تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان کوئی دس صدیوں کا فاصلہ ہے، اس مدت میں سب لوگ اسلام پر تھے، پھر لوگوں نے نئے نئے راستے ایجاد کر لیے اور اسلام سے منحرف ہو گئے، تو اللہ نے انبیا علیہم السلام کو بھیجا، جو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے۔ [1]

ابن عروہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اس آیت سے اہل کتاب مؤرخین کے اس

[1] تفسیر ابن جریر (۴/۲۷۵) مستدرک حاکم (۲/۵۴۶) امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری قرار دیا ہے۔ امام ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی ہے۔

تنبیہ: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''سب لوگ ایک امت یعنی کافر تھے'' یہ روایت صحیح نہیں ہے، عوفی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر (۱/۲۵۰) میں تحریر فرماتے ہیں۔ ابن عباس کا پہلا اثر معناً و سنداً زیادہ صحیح ہے، اس آیت کریمہ کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ لوگ ابتداءً آدم علیہ السلام کی ملت پر قائم تھے، پھر صدیوں بعد اصنام پرستی نے راہ پائی تو اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح دنیا میں آنے والے پہلے رسول ہیں'' حافظ ابن قیم نے بھی اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے۔ (اغاثۃ اللہفان ۲/ ۲۰۵)

اتہام کی پوری تردید ہو جاتی ہے کہ قابیل اور ان کی اولاد آتش پرستی میں مبتلا ہوگئی تھی۔''

(الکواکب الدراری، ۱/۲۱۲/۶)

نیز ان فلاسفہ و ملاحدہ کا بھی رد ہو جاتا ہے جو قیاس و گمان کی بنیاد پر مذہب کی تاریخ مرتب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کے اندر اصل شرک ہے۔ (اس نے اپنی زندگی کی ابتدا شرک کی تاریکیوں سے کی ہے، پھر تدریجی ارتقا کے ساتھ یہ تاریکی چھٹی اور روشنی بڑھتی گئی یہاں تک انسان توحید کے مقام تک پہنچا، مگر قرآن حکیم اس کے برعکس یہ بتاتا ہے کہ انسان کی زندگی کا آغاز توحید کی پوری روشنی میں ہوا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا تھا، اس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ حقیقت کیا ہے اور تیرے لیے صحیح راستہ کیا ہے، وہ کہتا ہے انسان کے اندر اصل توحید ہے شرک تو بعد کی در آمد شدہ چیز ہے۔

فلاسفہ وملحدین کے قول کی تردید اور آیت سابقہ کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

❶ ایک حدیث قدسی میں ہے۔''رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر اور موحد پیدا کیا، پھر شیطان نے ان کو ان کے دین سے بہکا دیا۔ میں نے جو چیزیں حلال قرار دیں تھیں اس نے حرام کر دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ بلا دلیل میرے شریک بنالیں۔'' ❶

❷ مشہور حدیث ہے'' کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے، مگر اس کے والدین اس کو یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسے چوپایہ کا بچہ کہ صحیح کان والا پیدا ہوتا ہے، کیا تم دیکھتے ہو کہ کوئی گوش بریدہ (کان کٹا) پیدا ہوتا ہے؟ مگر یہ بت پرست دیوی دیوتاؤں پر چڑھاتے ہیں اور کان کاٹ دیتے ہیں۔ ❷ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا چاہو تو یہ آیت پڑھ لو:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ [۳۰/الروم:۳۰]

''قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی

❶ صحیح مسلم۔ مسند احمد (۱۶۲/۴) غریب الحربی (۲/۲۴/۵) شرح السنہ بغوی (۲/۲۵/۱) تاریخ ابن عساکر (۱/۳۲۸/۱۵)

❷ صحیح بخاری (۹۷۶/۲) صحیح مسلم (۲۳۶/۲) وغیرہ، میں نے ارواء الغلیل میں اس کی تخریج کی ہے۔ (حدیث ۱۲)

بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی۔''

اس وضاحت کے بعد یہ معلوم کرنا کہ مومن وموحد معاشرہ کے اندر شرک و بت پرستی کا آغاز کیوں کر ہوا۔ ایک مسلمان کے لیے انتہائی اہم بھی ہے اور مفید بھی۔

شرک و بت پرستی کا آغاز کیونکر ہوا

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ میں شرک و بت پرستی کی ابتدا یوں ہوئی کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی وفات کے بعد ان کی یادگاریں بنا کر انہیں خراج عقیدت پیش کرنا ضروری سمجھا۔ رفتہ رفتہ یہ عقیدت عبادت سے بدل گئی اور باقاعدہ ان کے مجسموں اور بتوں کی پوجا ہونے لگی۔ قرآن کریم نے قوم نوح کی یہ حالت بیان کی ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی تو انہوں نے کہا:

﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ [۷۱/نوح:۲۳]

''تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا''

اس آیت کریمہ کی تفصیل میں سلف صالحین سے بکثرت روایات موجود ہیں کہ ود، سواع وغیرہ جو اسما اس میں آئے ہیں وہ سب بزرگان دین تھے، جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات سمجھائی کہ ان قبروں پر مراقبہ کریں، پھر بعد کے لوگوں کے دلوں میں یہ مزین کر دیا کہ ان فوت شدہ بزرگوں کی تصویریں اور مجسمے بنالیں تو ان کی یاد تازہ رہے گی اور یہ ان کے اعمال صالحہ کی اقتدا کرنے میں مددگار ثابت ہوگی، جب یہ طبقہ گزر گیا تو بعد کی نسلوں کو شیطان لعین نے یہ فریب دیا کہ تمہارے اسلاف انہی مجسموں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اور انہیں سے مشکلات میں مدد مانگتے تھے، اس طرح بعد کی نسل شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو گئی۔ تب اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ وہ اپنی قوم کو ایک خدا کی بندگی کا حکم دیں۔ مگر ان کی دعوت توحید کو ان کی قوم کے دو چار اشخاص کے علاوہ کسی نے قبول نہ کیا۔ (تفسیر طبری وغیرہ)

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی آیت مسطورہ بالا کی یہی

تفسیر فرمائی ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے کہ ''یہ پانچوں (ود، سواع وغیرہ) نوح علیہ السلام کی قوم کے بزرگوں کے نام ہیں، جب وہ لوگ انتقال کر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو یہ پرفریب مشورہ دیا کہ جہاں وہ لوگ عبادت کے لیے بیٹھتے تھے وہاں ان کے مجسمے بنالو اور ان کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ لو، چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا، اس وقت تو ان مجسموں کی عبادت نہیں ہوئی، مگر یہ طبقہ گزر گیا اور علم جاتا رہا تو انہی مجسموں (بتوں) کی پوجا ہونے لگی۔''

علامہ سیوطی تفسیر درمنثور (۶/ ۲۹۶) میں تحریر فرماتے ہیں:

''ابومطہر بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت ابوجعفر باقرؒ کے پاس یزید بن مہلبؒ کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا ''یزید اس سرزمین میں شہید کیے گئے ہیں جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کی گئی، پھر انہوں نے ود کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ود مومن اور اپنی قوم کے معزز آدمی تھے، ان کی وفات کے بعد ان کی قوم کے لوگوں نے ان کی قبر پر سوگوارانہ اجتماع کیا اور گریہ وزاری کرنے لگے، ابلیس جو موقعہ کی تاک میں تھا ہی، انسانی شکل میں ان لوگوں کے پاس آیا اور کہنے لگا، تم لوگوں کی چیخ وپکار دیکھی نہیں جاتی کہو تو ان کا مجسمہ بنادوں جسے تم اپنی مجلسوں میں رکھو گے اور اسے دیکھ دیکھ ان کو یاد کرو گے۔ لوگ اس تجویز سے بہت خوش ہوئے، چنانچہ ابلیس نے ''ود'' کا مجسمہ بنا دیا جسے ان کی قوم اپنی مجلس میں رکھتی اور اسے دیکھ کر ان کی یاد تازہ کرتی، ابلیس نے دیکھا کہ تیر نشانے پر لگا تو اس نے ایک جست اور لگائی اور کہا کہو تو ایسے بہت سے مجسمے بنادوں کہ ہر گھر میں ایک ایک رہے، ان کی یاد کرنے اور خیال جمانے میں آسانی رہے گی، لوگوں نے کہا ضرور بنا دیجئے۔ ابلیس نے یہ ''خدمت'' بھی انجام دے دی اور ہر ہر گھر میں مجسمہ اور بت پہنچ گیا جسے دیکھ کر بزرگ کو یاد کیا جاتا، لیکن اس طبقہ کے گزر جانے کے بعد رفتہ رفتہ ان یادگاری مجسموں نے مقصود ومعبود کی حیثیت اختیار کر لی۔ لوگوں نے انہی مجسموں کی پوجا پاٹ شروع کر دی اور اللہ کی عبادت چھوڑ بیٹھے، امام باقر فرماتے ہیں: ''دنیا میں سب سے پہلے اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی گئی وہ یہی ''ود'' ہے یعنی وہ بت جسے لوگوں نے ود کے نام سے موسوم کیا تھا۔ [1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس تحقیق و تفصیل سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ بزرگوں اور ولیوں سے عقیدت میں غلو اور قبروں کی بیجا تعظیم و تقدیس ہی شرک کا سنگ بنیاد ہے ۔ وہ اس چور دروازے سے مسلم معاشرہ میں داخل ہوا اور اگلی امتوں کی گمراہیاں یہیں سے شروع ہوئیں'' اس لیے شریعت الٰہی اور حکمت تشریع اس بات کی مقتضی ہوئی کہ آخری رسول کو آخری شریعت دے کر بھیجتے ہوئے ان تمام وسائل اور راہوں پر قدغن لگادی جائے جو کسی وقت اکبر کبائر ظلم عظیم یعنی شرک کا ذریعہ بن سکتے ہوں، سو اس نے قبروں پر مسجد بنانے، زیارت قبور کے لیے سفر کا اہتمام کرنے، قبروں کو درگاہ بنانے، ان پر عرس لگانے اور اصحاب قبور کی قسم کھانے وغیرہ وغیرہ امور سے بہ شدت تمام روک دیا کہ یہ سب قبروں کی بیجا تعظیم اور ان کی تقدیس میں غلو اور پھر ان کی عبادت تک لیجانے والے ہیں۔ خصوصاً اس وقت جبکہ علم کی روشنی ماند پڑ رہی ہے، جہل کی کثرت اور ناصحین کی قلت ہو اور شیاطین جن وانس انسانوں کو گمراہ کرنے اور ان کو خدائے وحدہٗ لا شریک لہٗ کی عبادت سے ہٹا کر ماسوی اللہ کی بندگی پر لگا دینے کے لیے ایکا کئے ہوئے ہوں۔

حکمت نہی، سد ذرائع

آفتاب کے طلوع وغروب اور اس کے نصف النہار میں ہونے کے اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ ان اوقات میں مشرکین سورج کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ نہی وممانعت محض اس اصل شرعی کی بنا پر ہے کہ اوقات نماز میں مشرکین کے ساتھ تشبہ نہ ہو اور شرک کے ادنی ذریعہ وسبب کا بھی سد باب ہو جائے۔ اس تشابہ کے مقابلہ میں قبروں پر مساجد کی تعمیر اور ان کے اندر نماز پڑھنے میں یہود ونصاریٰ کے ساتھ تشابہ زیادہ قوی اور واضح ہے اور اس کے ذریعۂ شرک بن جانے کے امکانات کہیں زیادہ ہیں، سامنے کی بات ہے کہ اوقات ممنوعہ میں بعض لوگوں کے نماز پڑھنے کے باوجود اس کا کوئی برا اثر مسلم معاشرہ

پچھلے صفحہ کا حاشیہ:۔ [1] یہ اثر ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے، جیسا کہ ابن عروہ نے الکواکب (۶/۲/۲) میں مع سند ذکر کیا ہے، یہ سند ابو مطہر تک تو حسن ہے، مگر یہ ابو مطہر مجہول ہیں، نہ دولابی نے کتاب الاسماء والکنیٰ میں ان کا ذکر کیا ہے، نہ مسلم نے اپنی کتاب الکنی میں، ان دونوں کے علاوہ بھی کسی نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ شاید یہ شیعی ہے لیکن طوسی نے فہرست رجال الشیعہ میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

میں ہم نہیں دیکھتے، یعنی مسلم معاشرہ میں کہیں بھی آفتاب پرستی کے آثار نظر نہیں آتے، لیکن قبروں پر تعمیر شدہ مساجد و مشاہد کے اندر نماز کے برے آثار سر کی آنکھوں سے دیکھے جاسکتے ہیں، قبروں کو چوما جارہا ہے، اصحاب قبور سے استغاثہ و فریاد کی جارہی ہے، ان کی دہائی دی جارہی ہے، ان کے نام نذریں مانی جارہی ہیں، بلکہ قبروں کو سجدہ کیا جارہا ہے [1] الغرض شرکیہ افعال اور بدتمیزیوں کا ایک طوفان برپا رہتا ہے، انہی وجوہ سے حکمت الٰہی کا یہ اقتضا ہوا کہ ان تمام وسائل و ذرائع کو جو ان گمراہیوں کی طرف لے جانے والے ہیں ایک دم ممنوع قرار دیا جائے، تاکہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت و بندگی ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے اور اس طرح اس کا یہ فرمان متحقق ہو جائے کہ:

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [۷۲/الجن:۱۸]

---

[1] قبر نبوی کا مسح وطواف

امام نووی اپنی کتاب مناسک الحج (۲/۲۸) میں تحریر فرماتے ہیں "امام حلیمی وغیرہ نے کہا ہے کہ قبر نبوی کا طواف کرنا جائز ہے اور اس سے پیٹ اور پیٹھ لگانا اور مس کرنا مکروہ ہے۔ قبر نبوی پر تبرکاً ہاتھ پھیرنا اور اسے بوسہ دینا بھی ناجائز ہے، بلکہ ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ قبر نبوی سے کچھ دور ہی کھڑے ہوں، یہی صحیح طریقہ ہے، تمام علما کا اسی پر اتفاق ہے، بہت سے عوام جو ان علما کے خلاف طرز عمل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس سے فریب نہیں کھانا چاہیے، قابل اقتدا اور لائق عمل مستند علما کے اقوال ہیں۔ عوام کی بدعتیں اور جہالتیں قطعاً ناقابل التفات ہیں۔ مشہور محدث اور صوفی فضیل بن عیاض نے کتنی پتے کی بات کہی ہے، فرماتے ہیں "راہ ہدایت پر قائم رہو اس پر چلنے والوں کی قلت تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور راہ ضلالت سے دور رہو اس کو اختیار کرنے والوں کی کثرت سے دھوکہ مت کھاؤ" اگر کوئی یہ سمجھے کہ قبر نبوی پر ہاتھ پھیرنے اور اسے بوسہ دینے میں زیادہ ثواب اور برکت ہے تو یہ اس کی جہالت اور غفلت ہے، کیونکہ ثواب اور برکت شریعت اور علما کی موافقت میں ہے نہ کہ مخالفت میں۔

قبر نبوی پر حاضری

امام مالکؒ نے مدینہ کے باشندوں کے لیے یہ بات مکروہ قرار دی ہے کہ ہر دفعہ مسجد نبوی میں آتے اور جاتے وقت قبر نبوی پر حاضری دیں۔ فرمایا یہ صرف پردیسیوں کے لیے ہے، البتہ سفر پر جانے اور سفر سے لوٹنے والے مدنی کے لیے کوئی حرج نہیں اگر قبر اقدس پر حاضری دے، نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجے اور صاحبین کے لیے دعا کرے" ابوالولید الباجی کہتے ہیں کہ امام مالک نے اہل مدینہ اور پردیسیوں کے درمیان فرق کیا ہے، کیونکہ پردیسی اسی غرض سے آئے ہیں (چند روز قیام کر کے چلے جائیں گے) اور اہل مدینہ تو یہیں کے باشندے ہیں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ ((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ)) (اے اللہ میری قبر کو بت مت بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے)

''بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو''

نیت اور عمل کا فساد

ہر سچے مسلمان کو یہ نادیدنی منظر دیکھ کر انتہائی افسوس اور دکھ ہوتا ہے کہ مدعیان اسلام کا ایک بڑا طبقہ شریعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی اور مشرکانہ افعال میں گرفتار ہے، حالانکہ شریعت نے ہر اس کام سے دور رہنے کی سخت تاکید کی ہے، جس سے توحید پر ذرا بھی آنچ آئے، کرب و اضطراب اور فزوں ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ بہت سے نام نہاد مشائخ اور صوفیانہ صرف یہ کہ عوام کو ان خلافِ شریعت حرکات پر ٹوکتے نہیں، بلکہ وہ تمام مظاہر شرک کو سند جواز فراہم کرتے پھر رہے ہیں اور پوری ڈھٹائی سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ لوگوں کی نیتیں پاک ہیں، مگر اللہ گواہ ہے کہ ان میں سے اکثر کی نیتیں فاسد ہیں، ان مشائخ کی خاموشی اور مظاہر شرک کو سند جواز فراہم کرنے کے سبب ان کے دلوں پر شرک کا غلاف چڑھ گیا ہے، نیتوں کے فساد کا عالم یہ ہے کہ جب کوئی تنگی پیش آتی ہے تو خدا کو چھوڑ کر کسی مردہ بزرگ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اس سے دعا و فریاد کی جاتی ہے۔ شفا و عافیت کی درخواست کی جاتی ہے انہی سے اولاد مانگی جاتی ہے، غرض وہ کچھ مانگا جاتا ہے جو اللہ کے علاوہ کسی سے نہ مانگنا چاہیے، نہ اللہ کے سوا کوئی وہ دے ہی سکتا ہے، افسوس، صد افسوس! شرک نے ان بدعتیوں کے قلوب پر قبضہ کر لیا ہے ان قبوریوں کی سواریوں کے قدم بھی لڑکھڑاتے ہیں تو وہ پکارتے ہیں یا اللہ یا باز! یا شیخ عبدالقادر جیلانی۔ (العیاذ باللہ) [1]

---

[1] شرکیہ اشعار: نقل کفر کفر نباشد، درجہ ذیل اشعار کے تیور دیکھیے:

بہ گرداب بلا افتاد کشتی	مدد کن یا معین الدین چشتی
شیئاً للہ چوں گدائے مستمند	المدد خواہم زخواجہ نقشبند
حقیقت میں دیکھو تو خواجہ خدا ہے	ہمیں در پہ خواجہ کے سجدہ روا ہے

غلو عقیدت کا کرشمہ

غلو عقیدت کے درج ذیل واقعہ کا تعلق حلقۂ دیوبند سے ہے۔ ہم اسے بلا تبصرہ نقل کر رہے ہیں۔

کرامات امدادیہ ص ۱۸ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا شاہ امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے ایک مرید کسی بحری جہاز سے سفر فرما رہے تھے کہ ایک تلاطم خیز طوفان سے جہاز ٹکرا گیا، قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جائے، اب اس کے بعد کا واقعہ خود راوی کی زبانی سنئے۔ لکھا ہے کہ: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ماشاءاللہ وشئت

ان ''پیران طریقت'' کو یہ معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز بعض صحابہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ'' (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر فرمایا، تم نے مجھ کو اللہ کا شریک بنا دیا۔ [1]

غور فرمایئے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو شرک سے دور رکھنے کا اتنا جتن کیا ہے کہ ماشاء اللہ وشئت کہنا بھی گوارا نہیں فرمایا تو پھر یہ مشائخ لوگوں کو یا اللہ یا باز یا خواجہ! شیئاً للہ وغیرہ کہنے سے کیوں نہیں روکتے؟ جبکہ ماشاء اللہ وشئت کی بہ نسبت ان کلمات کا شرکیہ ہونا کہیں زیادہ واضح اور ظاہر ہے، ان مشائخ کے حلقۂ ارادت سے تعلق رکھنے والے عوام ''تَوَكَّلْنَا عَلَى اللّٰهِ وَعَلَيْكَ'' اور ''مَالَنَا غَيْرُ اللّٰهِ وَاَنْتَ'' کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ مگر یہ ''صوفیا'' انہیں منع نہیں کرتے، آخر وجہ کیا ہے؟ یا تو یہ خود عوام کی طرح جاہل ہیں ''اوخود گم است کرا رہبری کند'' یا بیجا رواداری بلکہ مداہنت برت رہے ہیں کہ ان کے نذرانے اور وظیفے بند نہ ہوں، انہیں اپنے پیٹ کی فکر ہے، مگر خدائے جبار وقہار کے اس فرمان کی کوئی فکر نہیں کہ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ

گزشتہ سے پیوستہ: ''مرید نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں، اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر (مرید نے) اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا، اس وقت سے زیادہ اور کون سا وقت امداد کا ہوگا، اللہ سمیع وبصیر اور کارساز مطلق ہے۔ اسی وقت آگبوٹ (جہاز) غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی'' ادھر تو قصہ پیش آیا۔ ادھر اگلے روز مخدوم جہاں شاہ صاحب اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے، پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کچھ نہیں، پھر پوچھا، آپ خاموش رہے، تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا، حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے، فرمایا ایک آگبوٹ ڈوبا جا رہا تھا، اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا، اس کی گریہ وزاری نے مجھے بے چین کر دیا اور آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھایا تب آگے چلا اور بندگان خدا کو نجات ملی۔ اسی سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔'' (مترجم)

[1] سنن نسائی۔ ابن ماجہ وغیرہ یہ حدیث صحیح ہے، تخریج کے لیے الاحادیث الصحیحہ (۱۳۹) دیکھئے۔

اللّٰعِنُوْنَ ۝ [۲/البقرۃ:۱۵۹]

''بے شک جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں درانحالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ یقین جانو اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔''

مسلمانوں کا فرض تو یہ تھا کہ پوری دنیا کو توحید کی دعوت دیتے اور کفر و شرک کی گندگی سے دنیا کو پاک وصاف کرنے کا ذریعہ بنتے۔ مگر وائے ناکامی! یہ مسلمان دین سے ناواقفیت اور ہوس پرستی کے سبب خود شرک و وثنیت کا مظہر بن گئے ہیں۔

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

حتیٰ کہ اب مشرکین ان مسلمانوں کا تعارف کراتے ہوئے یہ بھی بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ مسلمان یہود کی طرح قبروں پر مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔''

قبوریوں کی کہانی ایک مستشرق کی زبانی

چنانچہ ایک انتہائی متعصب مستشرق اڈوارڈ لین اپنی کتاب ''اَلْمِصْرِیُّوْنَ الْمُحْدِثُوْنَ'' (ص ۱۶۷،۱۸۱) میں لکھتا ہے:

''وہابیوں کے علاوہ مسلمان خواہ کسی ملک میں بستے ہوں، خصوصاً اہل مصر زندوں سے زیادہ اپنے مردہ بزرگوں کا ایسا احترام اور ان کی ایسی تقدیس وتعظیم کرتے ہیں جس کی قرآن وحدیث سے کوئی سند نہیں۔ مشہور اولیا کی قبروں پر بڑی بڑی دیدہ زیب مسجدیں تعمیر کرتے ہیں اور جو بزرگان دین ذرا کم مشہور ہیں ان کی قبروں پر قبہ و گنبد بناتے ہیں، قبروں کے اوپر پتھر یا اینٹ کی مستطیل ضریح بناتے ہیں جسے ترکیبہ کہتے ہیں، یا لکڑی کی بناتے ہیں جسے تابوت کہتے ہیں، ان قبروں پر ریشمی یا سوتی چادریں چڑھی رہتی ہیں جو قرآنی آیات سے مزین ہوتی ہیں، قبروں کے اردگرد لکڑی کا پردہ لگاتے ہیں اسے مقصورہ کہتے ہیں، مصر کے اندر بزرگوں کی اکثر قبریں حقیقی ہیں جہاں ان کی کچھ یادگار چیزیں بھی محفوظ ہیں، مگر

بعض قبریں تو بالکل جعلی ہیں۔ کسی بزرگ کی یادگار میں بنائی گئی ہیں۔ [1]

یہ مستشرق آگے لکھتا ہے:

''مسلمانوں میں یہ رواج بھی ہے کہ قبور اولیا کی تجدید لپائی، پتائی، سفیدی اور تزئین وآرائش کرتے ہیں۔ ترکیبہ اور تابوت پر نئی نئی چادریں چڑھاتے ہیں، یہود کی طرح اکثر مسلمان بھی یہ سب نمائش اور نام ونمود کے واسطے کرتے ہیں۔ [2]

جعلی قبریں اور سامراجی مفاد

مسلمانوں خصوصاً شیعوں کی اس گمراہی اور کمزوری کا انگریزوں کو خوب علم ہے، چنانچہ انہوں نے اسے بھی مسلمانوں کے استحصال اور اپنی سامراجی چالوں کو کامیاب کرنے میں استعمال کیا، شیخ احمد حسن باقوری (سابق وزیر اوقاف، شام) نے قبروں کی تزئین و آرائش اور ان پر مسجدوں اور قبوں کی تعمیر کے ناجائز ہونے کے سلسلے میں ایک فتویٰ رقم فرمایا ہے۔ اس میں وہ بیان فرماتے ہیں:

''ایشیا میں سامراجی چالوں کا ذکر کرتے ہوئے مجھ سے ایک بلند پایہ مستشرق نے بیان کیا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کے جو قافلے بغداد آنے تھے اور یہ طویل مسافت جس راستہ سے طے کرتے تھے، نوآبادیاتی مفاد اس میں تھا کہ اس قدیم راستہ کے بجائے ایک دوسرے نئے راستے سے آمد ورفت ہو، تبدیلیٔ راہ کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر ناکامی ہوئی، اخیر میں یہ چال چلی گئی کہ نئے راستے میں تھوڑی تھوڑی دوری پر چند مزارات اور قبے بنادیئے گئے اور ذرائع نشر واشاعت نے ان جعلی مزارات کی نفع بخشیوں اور ان میں مدفون ''اولیا'' کی کرامات کی خوب خوب تشہیر کی، یہ چال کامیاب ہوگئی اور دیکھتے دیکھتے وہ نیا راستہ آباد ہوگیا اور شاہراہ بن گیا۔''

---

[1] بحوالہ دعوۃ الحق (ص ۱۷۶، ۱۷۷) الاستاذ عبدالرحمٰن الوکیل رحمہ اللہ۔

[2] نہیں نہیں بعض ہی بطور نمائش کرتے ہیں۔ ورنہ اکثر قبوری ان خرافات کو عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہیں، حیف!

کتنی قبروں پہ چڑھتی رہیں چادریں   کتنے لاشے پڑے رہ گئے بے کفن

شیخ باقوری آگے مسلمانوں کو دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کے مسلمانوں کو لوجہ اللہ دعوت دیتا ہوں کہ قبروں کی تفخیم (پختہ اور بلند کرنے) اور اس کی ہر طرح کی تعظیم سے باز آ جائیں کیونکہ یہ شخصیت پرستی، انانیت اور ناپسندیدہ آزاد خیالی کا ذریعہ ہے جو روح مشرق کے لیے زہر قاتل ہے، میں دعوت دیتا ہوں کہ مسلمان دین کے وسیع دائرہ میں لوٹ آئیں، جہاں کامل مساوات ہے، نہ زندوں سے غلو عقیدت کی اجازت ہے نہ مردوں کی بیجا تعظیم کی، فضیلت اور برتری کا معیار تقویٰ اور مخلصانہ اعمال ہیں۔[1]

مشاہیر صحابہ کی قبریں نامعلوم کیوں ہیں؟

بلند پایہ صاحب قلم اور مشہور مؤرخ استاذ رفیق اپنی کتاب ''اَشْهَرُ مَشَاهِيرِ الْإِسْلَامِ'' میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے اخیر میں کَلِمَةٌ فِي الْقُبُوْرِ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''اس عنوان کے تحت میرا مقصد قبروں کی تاریخ مرتب کرنا نہیں ہے جیسا کہ نواولیس، اہرام مصر اور دوسرے آثار وثنیت کی تاریخیں مرتب کی گئی ہیں بلکہ قاری کے ذہن وفکر کو اس نقطہ کی طرف منعطف کرنا ہے کہ امین الامۃ ابوعبیدہ ابن الجراح جیسے عظیم فاتح اور ہیرو اور دیگر جلیل القدر صحابہ کی قبروں کی تعیین میں اتنا زیادہ اختلاف کیوں ہے؟ حالانکہ یہ سب وہ ہستیاں تھیں جنہوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر نگیں کیا اور عظیم مملکت اسلامیہ کی بنیاد رکھی جو فاتحانہ عزائم کی مالک تھیں اور فضل واحسان اور تقویٰ وصلاح میں اس بلند مقام پر فائز تھیں کہ انبیا کے علاوہ اولین وآخرین میں کسی کی وہاں تک رسائی نہ ہوسکی۔

''مؤرخین نے ان اعاظم رجال کے حالات اس بسط وتفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور ان کے فاتحانہ کارناموں کی جمع وتدوین کی طرف اس جزرسی کے ساتھ توجہ دی ہے کہ مزید طلب کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی، اس طرح انہوں نے بلاشبہ دین وملت کی بے مثال

[1] لیس من الاسلام ص ۲۷ للاستاذ محمد غزالی۔

خدمت انجام دی ہے، لیکن ایک عام ناظر جب یہ تاریخیں اور تذکرے پڑھتا ہے تو اسے یہ صورت حال دیکھ کر سخت حیرت اور تعجب ہوتا ہے کہ ان اعاظم رجال کی قبروں کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا، مؤرخین یہ بھی نہیں بتاتے کہ یہ عظیم الشان ہستیاں کہاں دفن کی گئیں، حالانکہ یہ بلند پایہ مشاہیر جلالتِ قدر، عظمت شان اور عالمگیر شہرت کے مالک تھے۔ دین و ایمان کی طرف سبقت اور دعوت قرآن کی نشر و اشاعت کی جو فضیلت انہیں حاصل تھی اس کی وجہ سے وہ دلوں پر حکمرانی کر رہے تھے۔ ان صنادید اسلام کا تذکرہ پڑھتے وقت قاری کے ذہن میں کم از کم یہ بات ضرور آتی ہوگی کہ ان کی قبریں معلوم اور معروف و مشہور ہوں گی، بلکہ ان پر اونچے اونچے مقبرے، خوش رنگ قبے اور دیدہ زیب گنبد بنے ہوں گے۔ ان کے صلاح و تقویٰ اور ایمان و اخلاص اور شرف صحبت نبوی کے اعتراف میں نہیں، تو ان کے فاتحانہ کارناموں ہی کی یاد میں جن کی نظیر پیش کرنے سے بڑے بڑے سلاطین قاصر ہیں، ان کی یادگاریں قائم کی گئی ہوں گی، ...... مگر امر واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان مشاہیر اسلام کی قبریں مؤرخین اسلام کے نزدیک کیوں قابل اعتناء نہ ہوئیں؟ اور وہ قبریں کیسے بے نام ونشان ہوگئیں جن میں اکابر صحابہ وتابعین آرام فرما ہیں، حتیٰ کہ ارباب سیر ان کے مقام دفن تک کی تعیین میں مختلف الرائے ہیں۔ کوئی کسی شہر میں بتاتا ہے کوئی کسی شہر میں، بعض ملکوں میں بعض صحابہ کی طرف جو قبریں منسوب پائی جاتی ہیں ان کی بنیاد محض ظن وتخمین پر ہے اور بعد میں لوگوں نے ان پر مقبرے تعمیر کر دیئے ہیں۔ آخر ان مشاہیر صحابہ وتابعین کی قبریں کیونکر ضائع ہوگئیں اور گوشۂ گمنامی میں کھوگئیں، حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ قبروں کے ساتھ مسلم قوم کی خاص نظر عنایت رہی ہے۔ اونچی اونچی قبریں بنانا، قبروں پر قبے اور مسجدیں تعمیر کرنا اس قوم کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ خصوصا ان ظالم امراء و سلاطین کی قبروں پر جن کا دین اسلام میں کوئی مقام اور قابل ذکر کردار نہیں ہے۔ اسی طرح ان نام نہاد مشائخ اور گمراہ صوفیوں کی قبروں پر جن میں اکثر اسلامی احکام تک سے ناواقف اور بے بہرہ ہوتے تھے ان امراء وصوفیا کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ اکابر صحابہ سے کیا نسبت۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

صحابہ نے دین کو سرسبز و شاداب حالت میں پایا اور تقویٰ و فضیلت میں بلند ترین مقام پر فائز ہوئے۔

''بہر حال ایک عام قاری کے ذہن میں مذکورہ بالا خلش پیدا ہوتی ہے، لیکن سلف صالحین کے حالات کا صحیح تجزیہ کرنے سے یہ خلش بہ آسانی زائل ہو جائے گی اور مذکورہ سوال کا جواب مل جائے گا۔''

''صحابہ و تابعین اپنے زمانہ میں مشاہیر و اخیار اور سرآمد روزگار ہستیوں کی تعظیم اور قدر شناسی کا جذبہ کچھ کم نہ رکھتے تھی، مگر وہ تعظیم و احترام اسلامی حدود میں کرتے تھے، قبروں کو پختہ بنانے اور بوسیدہ ہڈیوں کی تعظیم و تقدیس سے نفرت کرتے تھے، کیونکہ صاحب شریعت بیضا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ دین حنیف بت پرستی کے ہر نشان اور تعظیم رفات کے تمام آثار، قبروں پر جلوس اور مراقبہ وغیرہ کو محو کر دینا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بہترین قبریں وہ ہیں جو بے نام و نشان ہوں، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ روشن یادگار اعمال صالحہ کی یادگار رہے، یہی وجہ ہے کہ بعد کی نسلوں کو کبار صحابہ اور بے مثال مجاہدین میں سے اکثر کی قبروں کا کوئی علم ہی نہیں ہے، بعض کا کچھ علم ہے بھی تو موضع قبر میں مؤرخین کی آرا مختلف اور راویوں کے بیانات باہم متناقض ہیں۔''

''اگر قرون اولیٰ میں قبروں کی تعظیم اور ان پر قبے اور مسجدیں تعمیر کر کے انہیں محفوظ کرنے کا کچھ بھی اثر و رواج رہا ہوتا تو یہ محولہ بالا اختلاف نظر نہ آتا اور کبار صحابہ کی قبریں آج بھی تعیین کے ساتھ معلوم ہوتیں، جیسا کہ بہت سے مکار صوفیا و مشائخ کی قبریں معلوم و محفوظ ہیں اور ان پر اہل بدعت طریقۂ سلف کے خلاف مشاہد و مقابر تعمیر کیے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ اکثر مزارات و مشاہد قدیم قوموں کے ہیاکل اور استھان کی نمائندگی اور وثنیت کا اس کی قبیح ترین صورتوں کے ساتھ اعادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، خدا پرستی سے ان کو دور کا بھی واسطہ نہیں رہ گیا ہے۔ یہ سب شرک کے اڈے بنے ہوئے ہیں، اگر مسلمان بہ ارادۂ عبرت اس پہلو پر غور و فکر کرتے ہیں کہ ان صحابۂ کرام کی قبریں کیوں کر ضائع اور گمنام ہو

گئیں جن کے ذریعہ ان (مسلمانوں) کو دین ملا اور جن کے ذریعہ اللہ نے دین کی نصرت فرمائی تو یہ مسلمان قبروں پر قبے تعمیر کرنے اور ان کی تعظیم کرنے کی جسارت نہ کرتے، کیونکہ اس کی نہ شریعت اجازت دیتی ہے نہ عقل و بصیرت، نیز وہ ان صحابہ و تابعین کی روش کے بھی خلاف ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت دین اسلام اور اس کے اسرار و رموز اور مصالح و حکم کو ہم تک پہنچایا مگر تف! ہم نے انہیں ضائع کر دیا اور دین کو ایک تماشہ بنا ڈالا۔"

من از بیگانہ گان ہرگز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آن آشنا کرد

(مجھے اجنبی سے کوئی شکایت نہیں، کیونکہ جو میرے خلاف کیا ہے دوست اور آشنا نے کیا ہے)

قبروں کے تئیں اسلام کا موقف کیا ہے؟ صحیح مسلم میں ابوالھیاج اسدیؒ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا "میں تمہیں اس مہم پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا وہ یہ کہ کسی مجسمہ کو مٹائے بغیر نہ رہو اور کسی اونچی قبر کو برابر کئے بغیر نہ چھوڑو" اسی صحیح مسلم میں ایک اور حدیث ثمامہ بن شفی سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ رومی علاقہ کے ایک مقام روڈس پہنچے، وہاں ہمارے ایک ساتھی کی وفات ہوگئی، فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ قبر زمین کے برابر رکھی جائے، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ تسویۂ قبور کا حکم دیتے تھے۔"

"یہ ہے قبروں کے بارے میں اسلام کا مزاج جسے امانت نبوی کے حاملین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ہم تک پہنچایا اور عہد امانت کو مؤکد کر دینے کے لیے فرمان نبوی کی حرف بحرف تعمیل کی تا کہ ہم ان کے نقوش قدم کی پیروی کریں اور ان کے نبی کی سیرت طیبہ سے ہدایت یاب ہوں لیکن ہم اپنی کوتاہ فہمی اور کور عقلی کی وجہ سے ان جزئیات کی حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر رہے اور تشریح الٰہی کی حکمت تک رسائی نہ پا سکے، وہ حکمت و مصلحت یہ تھی کہ شرک و بت پرستی کے ہر راستے کو مسدود اور تمام چھوٹے بڑے سوتوں کو بند

کر دیا جائے تاکہ وہ مسلم معاشرہ میں داخل ہونے کے لیے کسی طرح راہ نہ پا سکے، مگر ہم نے اس حکمت کی کوئی پروا نہیں کی اور شریعت کے بجائے ناقص عقل کو حکم بنالیا اور ابتداءً پختہ قبریں بنانے کو ایک جزئی مسئلہ سمجھ کر جائز قرار دے لیا، لیکن رفتہ رفتہ یہ چیز کلیات دین میں شامل ہو گئی اور دین میں خلل اور عقیدۂ توحید کی بربادی کا باعث بن گئی، کیونکہ ہم تعظیم قبور کی راہ پر برابر آگے ہی بڑھتے گئے، قبروں پر مساجد و مشاہد تعمیر کرنے لگے، نذر و نیاز اور دیگر عبادات و قربات کے لیے قبروں اور بوسیدہ ہڈیوں کو مرجع و مقصود بنالیا اور یوں ہم منکرات کی دلدل میں دھنس گئے جس سے بچانے ہی کی خاطر شریعت نے ہمیں قبروں کو بے نام ونشان رکھنے کا حکم دیا تھا، ہم اب بھی شریعت کی حکمت و مصلحت سے برابر غفلت برت رہے ہیں اور حق سے کشمکش کر رہے ہیں کہ نتیجتاً ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہم بھی ہلاک و برباد ہو جائیں۔''

انتهى كلام الاستاذ رفيق بک

شرک کا دور ختم ہو گیا؟

بعض لوگ خصوصاً علم و ثقافت کے مدعی بعض حضرات کا گمان ہے کہ شرک کا دور ختم ہو گیا اور اب وہ لوٹ کے آ بھی نہیں سکتا کیونکہ ہر طرف علوم و معارف کی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور عقل ان سے منور ہے، مگر یہ گمان بالکل لغو اور واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ مشاہدہ یہ ہے کہ شرک اپنی تمام شکلوں اور اپنے تمام مظاہر کے ساتھ نہ صرف موجود ہے بلکہ اپنا دائرہ وسیع کرتا جا رہا ہے، خصوصاً مغربی ممالک میں جو کفر کا گڑھ ہیں نبیوں، اور پادریوں، بتوں اور مجسموں، مادہ اور ہیرو اور بلند پایہ شخصیتوں کی پرستش کا مرکز ہیں، یہ جگہ جگہ نصب شدہ مجسمے اور آویزاں تصویریں اسی دعویٰ کی شاہد عدل ہیں، افسوس! کہ یہ رواج بعض مسلم ممالک میں بھی آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا ہے اور علما اس پر نقد و احتساب نہیں کرتے۔

غیر مسلم ممالک سے قطع نظر خود مسلم ملکوں خصوصاً شیعی ممالک میں قبروں پر سجدہ، قبروں کا طواف، نماز میں قبروں کا استقبال اور اللہ کے بجائے اصحاب قبور سے دعائیں وغیرہ وغیرہ مظاہر شرک سر کی آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

اگر ہم بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیں کہ دنیا شرک و بت پرستی کے آثار اور گندگی سے بالکل پاک ہوگئی ہے پھر بھی ہمارے لیے کسی طرح یہ جائز نہیں کہ ہم ان وسائل کو مباح قرار دیں جو آئندہ شرک و بت پرستی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ ہمیں پورا خطرہ ہے کہ یہ وسائل خود مسلمانوں کو شرک کی بیماری میں مبتلا کر کے چھوڑیں گے، بلکہ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ بت پرستی اس امت کے اندر بھی اگر ابھی نہ پائی جاتی ہو مگر اخیر زمانہ میں واقع ہو کر رہے گی۔ ثبوت میں چند نصوص ملاحظہ ہوں جو نبی ﷺ سے منقول ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

① ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَضْطَرِبَ أَلْيَاتُ نِسَاءِ بَنِيْ دَوْسٍ حَوْلَ ذِي الْخَلَصَةِ)) وَكَانَ صَنَمًا يَعْبُدُهَا دَوْسٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ بِتَبَالَةَ*)) [1]

''قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ قبیلہ دوس کی عورتوں کے سرین ذوالخلصہ بت کے اردگرد حرکت کریں گے، ذوالخلصہ تبالہ مقام میں ایک بت کا نام ہے جس کی قبیلہ دوس کے لوگ جاہلیت میں پوجا پاٹ کرتے تھے۔''

② لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰی تُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْ كُنْتُ لَا ظُنُّ حِيْنَ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ [۹/التوبہ:۳۳] اَنَّ ذٰلِكَ تَامًّا قَالَ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً فَتَوَفّٰى كُلَّ مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَيَبْقٰى مَنْ لَّا خَيْرَ فِيْهِ فَيَرْجِعُوْنَ اِلٰى دِيْنِ اٰبَائِهِمْ. (صحیح مسلم (۳۹۴/۲) مسند احمد، مسند ابو یعلی (۲/۲۱۶) مستدرک حاکم (۴/ ۴۴۶، ۴۴۷، ۵۴۹)

''دنیا ختم ہونے سے پہلے لات وعزیٰ کی پوجا کی جائے گی، حضرت عائشہ نے یہ سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی

---

[1] صحیح بخاری (۱۰۵۴ ج ۲)۔ صحیح مسلم: رقم ۷۲۹۸۔ مسند احمد (۲/ ۲۷۱)

* تبالہ یمن میں ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں طائف کا تبالہ مراد نہیں ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ﴾ [۹/التوبہ:۳۳] اللہ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، اگر چہ مشرکین نا پسند کریں (تو میرا خیال تھا کہ یہ غلبہ ظہور بہ تمام وکمال ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جتنا چاہے گا ہوگا۔ [1] پھر اللہ ایک خوشگوار ہوا چلائے گا جس سے ہر اس شخص کی وفات ہو جائے گی جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اور صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے اندر خیر کی

---

[1] ظہور اسلام: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں جس غلبہ وظہور کا وعدہ کیا گیا ہے وہ عہد نبوی میں بتمامہ واقع نہیں ہوا ہے، بلکہ آئندہ ہوگا۔ وصال نبوی کے بعد خلفاء راشدین کے عہد میں اور اس کے بعد بھی اسلام کا دائرہ بلاشبہ بہت وسیع ہوا ہے، لیکن ظہور تام اور غلبۂ کامل یہی ہے کہ پوری روئے زمین پر اسلام کی حکمرانی ہو جائے اور آئندہ یہ انشاءاللہ ضرور ہوگا، کیونکہ صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ سند صحیح یہ پیشین گوئی ثابت ہے کہ ''یہ دین دنیا کے ہر خطہ میں پہنچ کر رہے گا، ہر گھر میں خواہ وہ شہر میں ہو یا دیہات میں، اللہ اس دین کو داخل کر دے گا، عزت دار کی عزت کے ساتھ اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ، عزت اسلام کی عزت ہے اور ذلت کفر کی ذلت ہے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

یہ حدیث مسند احمد (۴/۱۰۳) امالی ابن بشران (۶۰/۱) معجم کبیر الطبرانی (۱/۱۲۶/۱) کتاب الایمان لابن مندہ (۱۰۲/۱) ذکر الاسلام للحافظ عبدالغنی المقدسی (۱۶۶) اور مستدرک حاکم (۴/۴۳۰) میں مروی ہے، مقدسی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام حاکم نے فرمایا، بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ ذہبی نے بھی حاکم کی موافقت کی ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث صرف مسلم کی شرط پر ہے۔ اس حدیث کے لیے مقداد بن اسود کی حدیث شاہد ہے جسے حاکم اور ابن مندہ نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت بھی صرف مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

بہر کیف یہ حدیث محولہ بالا آیت کریمہ کی مفسر ہے۔ اسی حدیث کی روشنی اور وسیع مفہوم میں آیت مذکورہ کی تفسیر کرنی چاہیے، ان دونوں سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوتی ہے جس کی بعض صحیح حدیثوں کے اندر صراحت بھی ہے'' کہ مسلمان فتح قسطنطنیہ (استنبول) کے بعد پاپائیت کے مرکز روم (اٹلی) کو بھی فتح کریں گے قسطنطنیہ تو فتح ہے روم بھی فتح ہو کر رہے گا۔ ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ﴾ [۳۸/ص:۸۸] اس لیے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ خود کو اس کے لیے تیار اور مسلح کریں، رب العزت کی طرف رجوع کریں اور اپنی زندگی کتاب وسنت کے مطابق ڈھال لیں، منکرات سے پرہیز کریں اور رضائے الٰہی پر متحد ہو جائیں، افق پر پیشین گوئی کے وقوع اور کامیابی کے آثار ابھرنے لگے ہیں۔ اللہ ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کو برلائے۔

رنگ گردوں کا ذرا دیکھیے عنابی ہے
یہ ابھرتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

رمق بھی نہ ہوگی اور اپنے آبا واجداد کے دین (بت پرستی) کی طرف لوٹ جائیں گے۔")

③ ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلٌ مِّنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِكِیْنَ وَ حَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِّنْ اُمَّتِیَ الْاَوْثَانَ)) [1]

"اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے کچھ قبائل مشرکین کے ساتھ نہیں مل جائیں گے اور جب تک بعض قبائل بتوں کی پوجا نہ شروع کر دیں گے۔"

④ ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ)) وَفِیْ رِوَایَةٍ ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) [2]

"قیامت اس وقت قائم ہوگی جب زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ جب زمین پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والا کوئی نہ رہے۔"

یہ احادیث پوری قطعیت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ اس امت کے اندر بھی شرک کی بیماری موجود ہے یا بہر حال پیدا ہوگی۔ ایسی صورت حال میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسے تمام وسائل واسباب سے دور رہیں جن سے شرک پھیلنے کا خطرہ ہے، جیسے مسئلہ زیر موضوع قبروں پر مسجد بنانا اور دیگر امور جن میں سے بعض کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے، جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے اور اپنی امت کو ان سے دور رہنے کی تلقین و تاکید فرمائی ہے۔ عہد حاضر کی تہذیب وثقافت کے فریب میں نہیں آنا چاہیے۔ وہ کسی گمراہ کو راستہ نہیں بتا سکتی اور مومن کی ہدایت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتی۔ الا ماشاء اللہ۔ ہدایت ونور کا مرکز بس ایک ہی ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام، اللہ نے سچ فرمایا ہے:

---

[1] صحیح مسلم (۴۶/۱) جامع ترمذی (۴۶/۲) ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، مستدرک حاکم (۴۹۴/۴، ۴۹۵) مسند احمد (۱۰۷/۳، ۲۵۹، ۲۶۸) کتاب التوحید لابن مندہ (۴۹/۱) حدیث یوسف بن عمر بن الفورس (۶۸/۱) دوسری روایت حدیث یوسف، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے، امام حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے، مسلم کی شرط پر ہے امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے، عبداللہ بن مسعود کی حدیث اس کی شاہد ہے، اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے اور شیخین کی شرط کے مطابق بتایا ہے۔ امام ذہبی نے بھی ان کی تائید وموافقت کی ہے۔

[2] مسند احمد: ۱۰۷/۳، رقم ۱۱۶۳۲۔

﴿قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ○ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهِ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○﴾ (۵/المآئدہ:۱۵،۱۶)

''بے شک تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور ہدایت اور روشن کتاب آ چکی ہے جن کے ذریعہ اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور ان کو سیدھے راستہ پر چلاتا ہے۔

فصل ششم

قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز کا حکم

گزشتہ اوراق میں قبوریوں کے شبہات اور ان کی مزعومہ حجتوں کے جوابات بیان کیئے گئے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کی حرمت کا حکم قیامت تک کے لیے دائمی اور محکم ہے، نیز ہم نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ تحریم مذکور کی حکمت کیا ہے، لیکن یہ بحث تشنہ رہ جائے گی اگر ایک اور مسئلہ جو حکم مذکور کے لوازم میں سے ہے بیان نہ کر دیا جائے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز کا کیا حکم ہے؟

ہم یہ اصل پہلے بیان کر آئے ہیں کہ قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کی نہی و ممانعت ان مساجد کے اندر نماز پڑھنے کی ممنوعیت کو مستلزم ہے، کیونکہ سبب اور وسیلہ کی ممنوعیت کا اقتضا یہ ہے کہ مسبب اور غایت بدرجہ اولیٰ ممنوع ہو، قبروں پر مساجد کی تعمیر ان کے اندر نماز پڑھنے کا وسیلہ ہے اور یہ تعمیر بجائے خود ممنوع ہے تو اس کا بدیہی نتیجہ یہ نکلا کہ ان مسجدوں کے اندر نماز پڑھنا بھی ممنوع ہو اور نہی کی اصل یہ ہے کہ منہی عنہ فاسد اور باطل ہے، علماء اصول کے نزدیک یہ قاعدہ معروف و مشہور ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں کہ قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز باطل ہے۔

یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ آئندہ صفحات میں مفصلاً بیان کرتے ہیں۔

قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز باطل یا مکروہ ہے

قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ قبروں سے تبرک حاصل کرنے کی نیت سے ان مساجد میں نماز پڑھنے کا قصد و اہتمام کیا جائے جیسا کہ بہت سے عوام کالانعام اور خواص کالعوام کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی اتفاقاً ایسی مساجد میں نماز پڑھ لے اور قبروں سے حصول برکت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔

پہلی صورت میں ان مساجد کے اندر نماز پڑھنا بلاشبہ حرام ہے اور وہ نماز باطل ہے، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے سے منع فرما دیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیا ہے تو ان مساجد کے اندر بالقصد نماز پڑھنا بدرجۂ اولیٰ ممنوع اور منہی عنہ ہوگا اور جیسا کہ ابھی گزرا نہی بطلان کی مقتضی ہے، اس لیے وہ نماز بھی باطل ہوگی۔

مگر دوسری صورت میں بطلانِ نماز کا حکم لگانا میرے نزدیک واضح نہیں، بلکہ اندریں صورت نماز فقط مکروہ ہوگی، اس کو باطل قرار دینے کے لیے مخصوص دلیل کی ضرورت ہے اور وہ موجود نہیں ہے۔

پہلی صورت میں بطلانِ صلوٰۃ کا حکم جس دلیل کی بنا پر لگایا گیا ہے اسے دوسری صورت میں جاری کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ صورت اولیٰ میں بطلان کا حکم اس نہی کی بنا پر ہے جو بناء **مسجد علی القبر** کے سلسلہ میں وارد ہے، اس نہی کا مطلب یہی ہے کہ دیدہ ودانستہ اور بالقصد قبر پر مسجد بنانا ممنوع ہے اور مسجد بنانے کی غرض وغایت ظاہر ہے اس میں نماز پڑھنا ہے، اس لیے بلفظ دیگر گویا یہ کہا گیا کہ قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر دانستہ اور قصداً نماز پڑھنا ممنوع ہے اور اصولاً نہی کا اقتضا اور موجب بطلان ہے، اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل صحیح ہے کہ وہ نماز بھی باطل ہے، لیکن قصد و ارادہ کے بغیر اتفاقاً ایسی مسجدوں میں نماز کا موقع آ جائے اور نماز پڑھ لی جائے تو اس نماز کو باطل کہنا مشکل ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی مخصوص نہی وارد نہیں ہے جس پر اعتماد کر کے یہ حکم لگایا جائے، نیز اس صورت کو پہلی صورت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جو صحیح نہیں، قصد اور اتفاق کے اندر بہت فرق ہے، دونوں کا حکم یکساں نہیں ہوسکتا۔

شاید یہی وجہ ہے کہ جمہور علما نے اس دوسری صورت میں نماز کو باطل نہیں صرف مکروہ قرار دیا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ یہ موضوع مزید تحقیق کا محتاج ہے اور دوسری صورت میں بھی فسادِ نماز کا احتمال ہے، اگر کسی کے نزدیک یہ مسئلہ محقق ہو تو از راہ کرم دلیل و برہان کے ساتھ مطلع کرے، میں اس کا ممنون و مشکور ہوں گا اور وہ عنداللہ ماجور۔

وجوہ کراہت

بہرنوع قبروں پر تعمیر شدہ مسجدوں کے اندر نماز پر کم از کم جو حکم لگایا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ نماز مکروہ ہے اور اس کی دو وجہ ہیں:

① پہلی وجہ یہ ہے کہ ایسی مسجدوں کے اندر نماز پڑھنے میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے، چنانچہ اہل کتاب نماز وغیرہ عبادات کے لیے ایسی ہی عبادت گاہوں کا انتخاب کرتے ہیں جن میں کسی بزرگ کی قبر ہو۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ ان مساجد کے اندر نماز وعبادت سے صاحب قبر کی غیر شرعی تعظیم لازم آتی ہے، اس لیے احتیاط اور سد ذریعہ کا اقتضا یہی ہے کہ ان مساجد کے اندر نماز و عبادت کو ممنوع قرار دے کر شرک کی پیش بندی کر دی جائے، قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے مفاسد محتاج بیان نہیں۔ ہر شخص کے سامنے ہیں، عیاں راچہ بیاں۔

علما نے مذکورہ بالا دونوں علتوں کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الملک حنفی فرماتے ہیں۔ ''قبروں پر مسجدیں بنانا اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ ان کے اندر نماز پڑھنے میں یہود کے ساتھ مشابہت اور ان کے طریقے کی اتباع پائی جاتی ہے'' علامہ موصوف کا یہ قول ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ (۱/۴۷۰) میں بلا انکار نقل کیا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیق

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ''اَلْقَاعِدَةُ الْجَلِیْلَةُ فِی التَّوَسُّلِ وَالْوَسِیْلَةِ (ص۲۲) میں تحریر فرماتے ہیں:

''کسی جگہ کو مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پنجگانہ اور دیگر عبادات کے لیے اس کا قصد و انتخاب کیا جائے۔ جیسا کہ تعمیر مساجد کا مقصد بھی یہی ہے، اور جس جگہ کو مسجد قرار دیا جائے وہاں مقصود صرف اللہ کی عبادت ہونی چاہیے اور اسی سے دعا کرنی چاہیے نہ کہ کسی مخلوق سے، اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرے سے قبروں کو مسجد قرار دینے یعنی وہاں نماز پڑھنے کے لیے اسی طرح جانا جس طرح مسجدوں میں جاتے ہیں۔ قطعاً حرام قرار دیا ہے اگرچہ جانے والے کی نیت صرف ایک اللہ کی عبادت ہی کیوں نہ ہو اور یہ اس لیے کیا گیا

کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ قبروں پر تعمیر شدہ مساجد میں محض صاحب قبر کی عقیدت، اس سے دعا مانگنے منگوانے، یا قبر کو متبرک سمجھ کر اس کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کو افضل جان کر آمد و رفت شروع کر دیں۔ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مقامات کو خدائے واحد کی عبادت کے لیے کام میں لانے ہی سے منع فرما دیا تاکہ کہیں شرک کا ذریعہ نہ بن جائیں، شریعت کا عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی فعل موجب فساد اور باعث مضرت ہو اور اس میں کوئی بڑی مصلحت بھی نہ ہو تو اس سے منع کر دیا جائے، چنانچہ اوقات ثلاثہ (آفتاب کے طلوع و غروب اور اس کے نصف النہار میں ہونے کے اوقات) میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے، کیونکہ ان اوقات میں وہ بڑے فتنہ کا موجب بن سکتی تھی، اس میں مشرکین کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے جو شرک کی طرف لے جا سکتا ہے۔ ان اوقات کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی خاص مصلحت بھی نہیں ہے جس کی رعایت کی جاتی، دوسرے اوقات میں نماز پڑھی جا سکتی ہے'' شیخ الاسلام آگے لکھتے ہیں:

اوقاتِ مکروہہ میں نماز

''اسی واسطے اوقات ثلاثہ مکروہہ میں ذات السبب نماز کے جواز و عدم جواز میں علما کا اختلاف ہے۔ اکثر علما جواز کے قائل ہیں اور یہی ظاہر اور راجح ہے، کیونکہ ان اوقات میں نماز کی نہی و ممانعت چونکہ بربنا سد ذریعہ ہے اس لیے دوسری بڑی مصلحت کی خاطر مباح قرار دی گئی، یعنی اگر کسی نماز کے وجوب اور استحباب کا سبب وقت مکروہ میں پیش آ جائے تو اسے اسی وقت میں پڑھ لے، ورنہ سبب فوت ہو جائے گا تو مسبب یعنی نماز کی مصلحت و فضیلت بھی فوت ہو جائے گی، بخلاف غیر ذات السبب نماز کے کہ وہ اوقات مکروہہ کے علاوہ میں بھی ادا کی جا سکتی ہے اور کوئی مصلحت و فضیلت فوت نہیں ہوگی'' اس لیے ان اوقات میں بلاسبب نفل پڑھنا ممنوع ہے اور ذات السبب [1] نماز پڑھنا مباح

بہر کیف اگر ان اوقات میں نماز کی ممانعت شرک کی راہ مسدود کرنے کے

[1] مثال کے طور پر تحیۃ المسجد ایک ذات السبب نماز ہے، یعنی مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا مندوب ہے، یہ مسجد کا تحیہ اور سلام ہے اور مسجد میں داخل ہونے کا وقت اس کا سبب، اگر کوئی بوقت مکروہ مسجد میں داخل ہو تو اسے تحیۃ المسجد اسی وقت پڑھ لینا چاہیے، ورنہ سبب (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لیے ہے کہ کہیں سورج کی پرستش کا ذریعہ نہ بن جائے، تو خود آفتاب پرستی کا کیا حکم ہوگا؟ ظاہر ہے وہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے بھی زیادہ حرام ہوگی، اسی طرح جب انبیا و صالحین کی قبروں کو مسجد قرار دینے کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ اصحاب قبور کی عبادت و دعا کا سبب نہ بن جائے تو خود اصحاب قبور کو پکارنا اور ان کا سجدہ کرنا قبر پر مسجد بنانے سے بھی زیادہ حرام ہوگا۔''

امام احمدؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب

قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز کے مکروہ ہونے پر تمام علما کا اتفاق ہے، البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ وہ نماز باطل ہوگی یا نہیں؟ حنابلہ کا ظاہر مذہب یہی ہے کہ وہ نماز باطل ہوگی۔ علامہ ابن القیمؒ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (زادالمعاد ص۳۲ ج۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، چنانچہ اقتضاء الصراط المستقیم (ص ۱۵۹) میں تحریر فرماتے ہیں'' یہ مسجدیں جو انبیا و صالحین اور سلاطین وغیرہ کی قبروں پر تعمیر کی گئی ہیں ان کا ازالہ ضروری ہے، جملہ مشاہیر علما اس پر متفق ہیں اور ایسی مساجد میں بلا اختلاف نماز کی کراہت کے قائل ہیں بلکہ حنبلیوں کے نزدیک ظاہر مذہب کی رو سے ان میں نماز باطل ہوگی، کیونکہ اس کی ممانعت اور لعنت وارد ہے، ان کے یہاں اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ اس مسئلہ میں حنابلہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ جس قبرستان کے اندر کوئی مسجد نہ ہو اس میں نماز پڑھنا کب ممنوع ہے؟ کم از کم تین قبریں ہوں تب؟ یا ایک ہی قبر ہو تب بھی اس میں نماز پڑھنا ممنوع ہوگا؟''

اَلْاِخْتِيَارَاتُ الْعِلْمِيَّةِ (ص ۲۵) میں دوسری صورت کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' امام احمد اور جمہور علما حنابلہ کے کلام میں یہ تشقیق موجود نہیں ہے بلکہ اس موضوع پر ان کے کلام، ان کی توجیہ اور استدلال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبرستان میں ایک

(گزشتہ سے پیوستہ)...... (مسجد میں داخل ہونے کا وقت) فوت ہو جائے گا تو مسبب یعنی تحیۃ المسجد اور اس کی مصلحت بھی فوت ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کسی سے بھی ملنے کے ساتھ ہی پہلے سلام کیا جاتا ہے۔ یہی حکم بھی ہے۔ کچھ گفتگو کر لینے کے بعد سلام کرنا غیر معقول اور سلام کی مصلحت کے خلاف ہے۔

ہی قبر ہو، جب بھی ان کے نزدیک اس میں نماز پڑھنا منع ہے، اور یہی صحیح ہے، مقبرہ اور قبرستان صرف اسی جگہ کو نہیں کہتے جہاں متعدد قبریں ہوں بلکہ ہر وہ جگہ قبرستان ہے جہاں کوئی قبر ہو۔ ہمارے اصحاب (یعنی حنبلی علما) نے فرمایا ہے کہ قبروں کے آس پاس جو زمین قبرستان میں داخل ہو اس میں بھی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قبرستان کے اندر ایک ہی قبر ہو تب بھی اس کے اندر نماز پڑھنا ممنوع ہے، آمدی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جس مسجد کے جانب قبلہ کوئی قبر ہو اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں، تا آنکہ قبر اور مسجد کی دیوار کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، بعض علما کا کہنا ہے کہ یہ مسئلہ امام احمد سے بھی منصوص ہے۔

قبرستان کی مسجد میں نماز

ابو بکر الاثرم نے بیان کیا ہے کہ میں نے خود سنا ہے کہ امام احمدؒ سے قبرستان میں نماز پڑھنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے اس کو مکروہ قرار دیا، پوچھا گیا قبروں کے درمیان کوئی مسجد ہو تو اس کے اندر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا یہ بھی مکروہ ہے۔ دریافت کیا گیا کہ مسجد اور قبروں کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل ہو تب؟ فرمایا اس میں فرض نماز مکروہ ہے، ہاں نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

امام احمدؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قبرستان میں واقع مسجد کے اندر کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ الا نماز جنازہ کہ اس کا قبرستان پڑھنا سنت ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے فتح الباری شرح بخاری میں اس قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''امام احمدؒ نے اس دوسرے فقرہ میں صحابہ کے عمل کی طرف اشارہ کیا ہے، ابن منذر نے نافع مولی ابن عمر سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا، ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ قبرستان جنت البقیع کے وسط میں پڑھی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی، عبداللہ ابن عمر بھی نماز میں شریک تھے۔ [1]

---

[1] الکواکب الدراری (۶۵/ ۸۱/ ۲،۱) امام عبدالرزاق نے بھی یہ اثر مصنف میں بہ سند صحیح روایت کیا ہے، (۱/ ۴۰۷/ ۱۵۹۴)

پہلی روایت میں امام احمدؒ کا صرف نماز فرض کے ذکر پر اکتفا کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان کے نزدیک قبرستان کی مسجد کے اندر نوافل وسنن پڑھنا جائز ہے، کیونکہ یہ معلوم ومعروف ہے کہ نوافل مسجد میں پڑھنے کی بجائے گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ اسی واسطے امام صاحب نے فرض کے ساتھ نوافل کا ذکر نہیں کیا، اس توجیہ کی تائید امام صاحب کے دوسرے قول '' لَا يُصَلِّي فِيْ مَسْجِدٍ بَيْنَ الْمَقَابِرِ اِلَّا الْجَنَازَةَ'' کے عموم سے بھی ہوتی ہے۔ یہ قول نص صریح ہے کہ ان کے نزدیک قبرستان میں واقع مسجد کے اندر نماز جنازہ کے سوا کوئی نماز فرض ہو یا نفل جائز نہیں ہے، ان کے اس قول کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے قبروں کے درمیان مسجد بنانے کو مکروہ قرار دیا ہے' یہ اثر اس معنی میں بھی صریح ہے کہ مسجد اور قبر کے درمیان دیواروں کا پردہ اور اوٹ کافی نہیں، بلکہ اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قبروں کے درمیان سرے سے مسجد تعمیر کرنا ہی جائز نہیں ہے اور یہی حق اور مزاج دین سے قریب تر ہے، کیونکہ یہ مادۂ شرک کی بیخ کنی کے لیے زیادہ مناسب اور موثر ہے۔

قبر پر تعمیر شدہ مسجد کے اندر نماز بہر صورت مکروہ ہے

یاد رکھیے قبروں پر تعمیر شدہ مسجدوں کے اندر نماز بہر صورت ممنوع ومکروہ ہے، خواہ قبر مصلی کے سامنے ہو یا پیچھے، دائیں ہو یا بائیں، لیکن اگر قبر جانب قبلہ ہو تو کراہت شدید ہو جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں مصلی دو دو شرعی مخالفتوں کا مرتکب ہو رہا ہے، ایک تو اس نے قبر پر تعمیر شدہ مسجد میں نماز پڑھی حالانکہ یہ شرعاً ممنوع ومکروہ ہے، دوسرے قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور یہ بھی بحدیث صحیح قطعاً مذموم وممنوع ہے۔ خواہ قبر مسجد کے اندر ہو یا باہر۔

اس مسئلہ کی طرف امام بخاریؒ نے بھی جامع صحیح میں اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں: ''بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ اِتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ عَلَى الْقُبُوْرِ'' (قبروں پر مسجد بنانے کی کراہت کا بیان) اور ترجمۃ الباب میں پہلے یہ اثر نقل کیا ہے ''حسن بن حسین بن علی (رضی اللہ عنہم) کی وفات کے بعد ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک خیمہ نصب کر رکھا تھا، پھر اٹھا دیا گیا تو لوگوں نے سنا، غیب سے آواز آئی، کیا یہ لوگ اپنی گم شدہ متاع پا گئے، غیب سے دوسری

آواز آئی ''نہیں! بلکہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے'' اس اثر کے بعد امام بخاری نے اس سلسلہ کی چند مرفوع احادیث کو روایت کیا ہے جن کا ذکر فصل اول میں گزر چکا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس باب کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس اثر کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ قبر پر لگائے گئے خیمہ کے اندر مقیم شخص اس میں نمازیں بھی پڑھے گا، اس سے قبر کے پاس مسجد بنانا لازم آئے گا، (کیونکہ لغۃً وہ جگہ مسجد ہے جہاں نماز پڑھی جائے اگر چہ اس کے لیے وہاں کوئی عمارت نہ ہو) اگر قبر کہیں قبلہ کی جانب ہوئی تو کراہت اور بڑھ جائے گی۔''

یہی بات علامہ عینی حنفی نے بھی لکھی ہے، ملاحظہ ہو، عمدۃ القاری (ص۱۹۴ج۴)

مولانا رشید احمد گنگوہی کی تقریر ترمذی (الکوکب الدری علی جامع الترمذی) میں بیان کیا گیا ہے'' کہ قبروں پر مساجد بنانا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں یہود کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے، وہ اپنے انبیا و صالحین کی قبروں پر مسجدیں بناتے تھے۔ نیز اس لیے کہ اس میں میت کی بیجا تعظیم پائی جاتی ہے اور اگر قبر قبلہ کی جانب ہو تو اس میں بت پرستوں کی مشابہت بھی ہے، قبر کا بجانب قبلہ ہونا مصلی کے دائیں بائیں ہونے کی بہ نسبت زیادہ کراہت کا باعث ہے اور اگر قبر مصلی کے پیچھے ہو تو کراہت نسبتاً کم ہوگی، لیکن یہ بھی کراہت سے بہر حال خالی نہیں ہے۔ (الکوکب الدری علی جامع الترمذی، ص: ۱۵۳) [1]

حنفی مذہب کی ایک کتاب شِرْعَةُ الْاِسْلَام میں مرقوم ہے'' قبر پر مسجد بنانا کہ اس کے اندر نماز پڑھی جائے مکروہ ہے۔'' (ص۵۶۹)

اس عبارت کے اطلاق و عموم سے علما کے مذکورہ اقوال کی تائید ہوتی ہے۔ اس کے مثل امام محمدؒ کا ایک قول (فصل سوم، ص ۵۸) گزر چکا ہے۔

مسطورہ بالا تصریحات سے ہماری اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز علی الاطلاق مکروہ ہے۔ عام ازیں کہ بحالت نماز قبر کی طرف رخ کیا

[1] یہ تقریر دوران درس مولانا یحییٰ کاندھلویؒ نے لکھی تھی۔ مولانا زکریا صاحب مدظلہ نے اسے مرتب کر کے اپنے مفید حواشی کے ساتھ مذکورہ نام سے شائع کیا ہے۔ (مترجم)

جائے اور اس کو قبلہ نہ بنایا جائے۔ قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز پڑھنا اور ایسی قبر کے پاس نماز پڑھنا جس پر کوئی مسجد نہیں ہے دونوں میں فرق ہے۔ دوسری صورت میں کراہت اس وقت متحقق ہوگی جب قبر مصلی کے سامنے ہو۔ مگر بعض علما اس صورت میں استقبال کی شرط نہیں لگاتے بلکہ مطلقاً قبر کے پاس نماز پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں، خواہ قبر مصلی کے سامنے قبلہ کی جانب ہو، یا کسی اور طرف ہو، حنابلہ کا یہی مذہب ہے۔ ایسا ہی حنفی مذہب کی کتاب **حاشیة الطحاوی علی مراقی الفلاح** (ص۲۰۸) میں بھی لکھا ہے اور سد ذرائع کے نقطۂ نگاہ سے یہی مناسب بھی ہے، حدیث شریف میں ہے ''جو شبہات سے دور رہا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچالیا اور جو شبہات کے پیچھے لگا وہ گویا حرام میں واقع ہوگیا، جیسے وہ ریوڑ جو کسی کی محفوظ چراگاہ اور کھیت کے آس پاس چر رہا ہو اس کے کھیت میں چلے جانے کا ہر لمحہ خطرہ ہے۔ (متفق علیہ)

فصل ہفتم

حکم سابق سے مسجد نبوی مستثنیٰ ہے

ہر وہ مسجد جس میں کوئی قبر ہو اس میں نماز باتفاق علمائے امت مکروہ ہے، وہ مسجد چھوٹی ہو یا بڑی، نئی ہو یا پرانی، قبر پہلے سے ہو اور اس پر بعد میں مسجد بنائی گئی ہو یا مسجد میں قبر بعد میں بنائی یا داخل کر لی گئی ہو، یہ اس لیے کہ کراہت کے دلائل عام ہیں۔ ایسی کسی مسجد کا استثناء ثابت نہیں ہے، ہاں مسجد نبوی البتہ مستثنیٰ ہے، کیونکہ اس کو ایسی مخصوص فضیلت و مزیت حاصل ہے جو کسی ایسی مسجد کو بہر حال حاصل نہیں جس کے اندر کوئی قبر ہو۔

مسجد نبوی کی فضیلت

مسجد نبوی کی فضیلت متعدد مشہور احادیث سے ثابت ہے:

1. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ)) [1]

''میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے۔''

(کیونکہ مسجد حرام میں ایک نماز مسجد نبوی کی سو نمازوں اور دوسری مساجد کی لاکھ نمازوں سے افضل ہے) [2]

2. عبداللہ بن یزید مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَابَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ)) [3]

---

[1] بخاری ومسلم وغیرہما عن ابی ہریرۃ، ومسلم، کتاب الحج باب فضل الصلوۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ، رقم: ۳۳۷۴۔ مسند احمد میں یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے، اس حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، مفصل تخریج کے لیے الثمر المستطاب ملاحظہ ہو۔ [2] مسند احمد عن عبداللہ بن الزبیر۔ [3] (بقیہ حاشیہ آگے)

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔''

مستثنیٰ ہونے کی علت و مصلحت

مسجد نبوی ان مزیتوں اور دیگر فضیلتوں کی بنا پر اس حکم عام سے کہ جس مسجد میں قبر ہو اس میں نماز مکروہ ہے، مستثنیٰ ہے، اگرچہ اس کے اندر بھی قبریں ہیں، کیونکہ اگر مسجد نبوی کے اندر بھی نماز مکروہ قرار دی جائے تو اس میں اور دیگر مساجد میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا اور اس کی فضیلتوں اور خصوصیتوں کا بالکلیہ رفع لازم آئے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ نامعقول اور ناممکن ہے۔

یہ نکتہ ہم نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے اس کلام سے اخذ کیا ہے جو انہوں نے اوقات مکروہہ میں ذات السبب نماز کے جواز کی علت و مصلحت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ (یہ کلام ص ۱۲۵ پر مفصلاً گزر چکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ)'' اوقات مکروہہ میں ذات السبب نماز اس لیے مباح قرار دی گئی ہے کہ ممنوع قرار دینے میں اس نماز کی مصلحت

گزشتہ صفحہ کا حاشیہ: ۔ 3 بخاری ومسلم وغیرہ، امام سیوطی نے اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

حدیث ما بین قبری ومنبری پر بحث

یہ حدیث بہ لفظ ما بین بیتی ومنبری ہی صحیح ہے، بیتی کے بجائے قبری جو زبان زد اور مشہور ہے وہ راوی کا وہم ہے جیسا کہ امام قرطبی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہم نے جزم ویقین کے ساتھ بیان کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ صحاح کی کسی روایت میں نہیں ہے اور غیر صحاح کی بعض روایت میں اس کا ہونا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وہ روایت بالمعنی ہے، شیخ الاسلام ''القاعدة الجليلة'' (ص ۷۴) میں تحریر فرماتے ہیں:

'' یہ حدیث بہ لفظ ما بین بیتی ومنبری، ہی صحیح اور ثابت ہے، لیکن بعض راویوں نے بالمعنی روایت کر دیا کہ مَـا بَيـنَ قَبْـرِیْ وَمِنْبَرِیْ ''میری قبر اور میرے منبر کے درمیان'' حالانکہ ظاہر ہے آنحضرت ﷺ نے یہ بات جس وقت بیان فرمائی تھی دنیا میں جلوہ افروز تھے۔ اس وقت آپ کی قبر کا کیا سوال؟! اسی لیے جب صحابہ میں آپ کے مدفن کے بارے میں نزاع ہوئی تو کسی نے یہ حدیث پیش کی، یہ حدیث اگر لفظ قبری کے ساتھ صحابہ کے پاس ہوتی تو نص شرعی کا کام دیتی اور اس نص صریح کے ہوتے ان کے درمیان آپ کی قبر کے بارے میں کہ کہاں بنائی جائے کوئی اختلاف رونما نہ ہوا ہوتا، آپ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اس جگہ دفن کئے گئے جہاں آپ کی وفات ہوئی۔ فِدَاهُ اَبِیْ وَاُمِّیْ ﷺ۔

کی تضییع ہے اور خروج وقت کے سبب اس کی تلافی بھی ممکن نہیں ہے۔"

اسی طرح ہر چند کہ مسجد نبوی کے اندر قبر ہے مگر اس کے اندر نماز مکروہ نہیں بلکہ افضل ہے۔

ورنہ مسجد نبوی کی خصوصیت اور اس کے اندر نماز کی جو زبردست فضیلت ہے اس کی تضییع لازم آئے گی اور یہ زیان ایسا زیاں ہے جس کی کسی طرح تلافی نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے مسجد نبوی میں نماز کی جو فضیلت ہے وہ مسجد نبوی ہی میں نماز پڑھنے سے حاصل ہوسکتی ہے، اس عظیم مصلحت کا اقتضا یہ ہے کہ مسجد نبوی حکم سابق سے مستثنیٰ ہو۔

ابن تیمیہ رح کی تصریح

یہ بات شیخ الاسلام نے اپنی کتاب **الجواب الباھر فی زوار المقابر** (ق ۲۲/ ۲،۱) میں صراحت کے ساتھ بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

"ان تمام مساجد کے اندر نماز ممنوع ہے جس میں کوئی قبر ہو، بخلاف مسجد نبوی کے کہ اس میں نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے کیونکہ وہ موسس علی التقویٰ ہے (اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے) اور اس کو یہ حرمت وفضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی حاصل تھی اور خلفاء راشدین کے عہد سعید میں بھی، جبکہ حجرۂ مبارکہ جس میں قبر نبوی ہے مسجد شریف میں داخل نہیں تھا۔ حجرۂ مبارکہ کو مسجد نبوی میں صحابۂ کرام کا مبارک عہد گزر جانے کے بعد شامل کیا گیا ہے۔

کتاب مذکور میں دوسری جگہ (۶۷/ ۱، ۶۹/ ۲) لکھتے ہیں:

"مسجد نبوی کی فضیلت اس میں حجرہ مبارکہ کو شامل کئے جانے سے پہلے ہی سے ثابت ہے، اس کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ خاتم النبیین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اس کی تاسیس وتعمیر فرمائی تھی کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت تک آنے والے مومنین اس کے اندر نماز ادا فرمائیں، پس اس مسجد شریف کی فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہے، اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میری اس مسجد کے اندر نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے،

سوائے مسجد حرام کے'' نیز فرمایا: تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کا (اس نیت سے کہ اس میں نماز وعبادت کی فضیلت زیادہ ہے) سفر نہ کیا جائے، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔ ❶

❶ جامع اموی کی فضیلت پر بحث

یہاں ایک عجیب وغریب موضوع اور گمراہ کن روایت پر تنبیہ ضروری معلوم ہوتی ہے۔ یہ روایت سفیان ثوری کی طرف منسوب ہے، علامہ ابن عابدین نے ردالمختار شرح درمختار میں کتاب الاخبار الدول سے مع سند نقل کیا ہے کہ سفیان ثوری نے فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ بِثَلَا ثِیْنَ اَلْفِ صَلٰوۃِ

''مسجد دمشق (جامع اموی) میں ایک نماز دوسری مساجد کی تین ہزار نمازوں کے برابر ہے۔''

مگر یہ روایت بالکل بے سروپا اور باطل ہے، رسول اللہ ﷺ سے اس کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے بلکہ خود سفیان ثوری کی طرف بھی اس کی نسبت ایک دم بے بنیاد ہے، اس اثر کو ابوالحسن ربعی نے بھی فضائل الشام و دمشق (ص ۳۵، ۳۷) میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (ص ۱۲ ج ۲) میں بہ سند روایت کیا ہے:

عن احمد بن انس بن مالک انبأنا حبیب المؤذن انبأ نا ابوزیاد وابو امیه قالا: ابو زیاد اور ابوامیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مکہ مکرمہ میں تھے، ایک شخص کعبہ کے زیر سایہ نظر آیا، ہم نے دیکھا وہ سفیان ثوری تھے، ایک شخص نے ان سے دریافت کیا، ابوعبداللہ! (سفیان ثوری کی کنیت) اس مسجد حرام میں نماز کا کیا ثواب ہے؟ سفیان ثوری نے جواب دیا'' دوسری مساجد کی ایک لاکھ نماز کے برابر'' سائل نے کہا اور مسجد نبوی میں نماز کا کیا ثواب ہے؟ سفیان ثوری نے فرمایا'' دوسری مساجد کی پچاس ہزار نماز کے برابر'' سائل نے پھر پوچھا اور بیت المقدس کی نماز کا ثواب؟ فرمایا'' دوسری مساجد کی چالیس ہزار نماز کے بقدر، سائل نے سوال کیا اور مسجد دمشق کے اندر؟ سفیان ثوری نے جواب دیا'' کہ دوسری عام مساجد کی تیس ہزار نماز کے برابر۔''

میں کہتا ہوں یہ روایت متعدد وجوہ سے قطعاً قابل اعتنا نہیں۔

① اس کی سند ضعیف اور مجہول ہے، سند کے پہلے دو راوی احمد بن انس اور حبیب موذن مجہول ہیں اور آخری دو راوی ابوزیاد شعبانی (جو ظاہر یہ ہے کہ خیار بن ابی سلمہ شامی ہیں) اور ابوامیہ (یعنی محمد شعبانی) دونوں ضعیف ہیں۔

② حدیث مشہور'' صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاهُ'' کے ایک راوی سفیان ثوری بھی ہیں، اس لیے یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف کچھ فرمائیں گے جسے خود انہوں نے بسند صحیح رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔

③ بیت المقدس کے اندر نماز کی فضیلت زیادہ سے زیادہ دوسری مساجد کی ایک ہزار نماز کے بقدر مروی ہے۔ (ابن ماجہ) بلکہ یہ روایت بھی ضعیف ہے اور بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ بیت المقدس کی ایک نماز دوسری مساجد کی نماز پر مسجد نبوی کے چوتھائی گنا فضیلت رکھتی ہے (یعنی بیت المقدس کی ایک نماز دوسری عام مساجد کی ڈھائی سو نماز کے برابر ہوتی ہے) اور مذکورہ روایت میں کہا گیا ہے کہ چالیس ہزار نماز کے برابر ہوتی ہے۔ اس لیے یہ روایت دیگر صحیح، مرفوع روایات کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

اور مسجد نبوی کی فضیلتیں تو اس میں حجرہ مبارکہ کے داخل کئے جانے کے پہلے ہی سے ثابت ہیں، لہٰذا یہ گمان کرنا کہ مسجد نبوی بشمول حجرہ کے بعد پہلے سے افضل ہوگئی ہے محض سودائے خام ہے۔

پھر حقیقت تو یہ ہے کہ مقصود حجرہ شریفہ کو مسجد نبوی میں داخل کرنا نہیں تھا بلکہ مقصود بالذات مسجد کی توسیع تھی، اس سلسلہ میں ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد میں شامل کیا گیا تو حجرہ عائشہ بھی جس میں آپ ﷺ کی قبر شریف ہے مسجد کے اندر آ گیا، اس پر بعض سلف (مثلاً سعید بن میبّب) نے اسی وقت اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمادیا تھا۔''

پھر اسی کتاب میں ایک اور جگہ (۱/۵۵،۲) تحریر فرماتے ہیں:

''جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ مسجد نبوی کو جس میں کہ نبی ﷺ اور مہاجرین وانصار نماز پڑھتے رہے، کوئی فضیلت حاصل نہیں تھی بلکہ اس کو فضیلت اس وقت حاصل ہوئی جب ولید بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں قبر نبوی کو مسجد میں داخل کیا گیا، سو ایسا اعتقاد رکھنے والا انتہائی جاہل ہے، بلکہ مرتد اور قابل گردن زدنی ہے، کیونکہ وہ حدیث رسول کی تکذیب کر رہا ہے۔ صحابۂ کرام نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے، دعا وعبادت کرتے تھے اور اس کے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے، آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی ان کا یہی عقیدہ رہا، آپ ﷺ کی تعلیم کردہ شریعت کے علاوہ کوئی نئی شریعت ان کے لیے نہیں آئی، بلکہ آنحضرت ﷺ نے تو صحابہ کو اس بات سے کہ آپ ﷺ کی قبر کو درگاہ بنایا جائے یا کسی کی قبر کو مسجد بنایا جائے صراحتاً وتاکیداً منع فرمادیا تھا، تاکہ شرک کا سد باب اور روک تھام ہو سکے اللہ آپ پر اور آپ کی آل پر درود وسلام نازل فرمائے اور نبی کو اس کی امت کی طرف سے جو بدلہ دیتا ہے، آپ کو اس میں سب سے بہتر بدلہ دے، کہ آپ نے اس کا پیغام پہنچادیا۔ اس کی امانت ادا کر دی، امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کر دیا اور اس کی عبادت میں مشغول رہے، تا آنکہ آپ ﷺ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے یقین، یعنی وقت وصال آ گیا''

وَهٰذَا اٰخِرُمَا وَفَّقَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى فِيْ جَمْعِ هٰذِهِ الرِّسَالَة

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ ، تَدُوْمُ الطَّيِّبَاتُ وَ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمَ.

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.